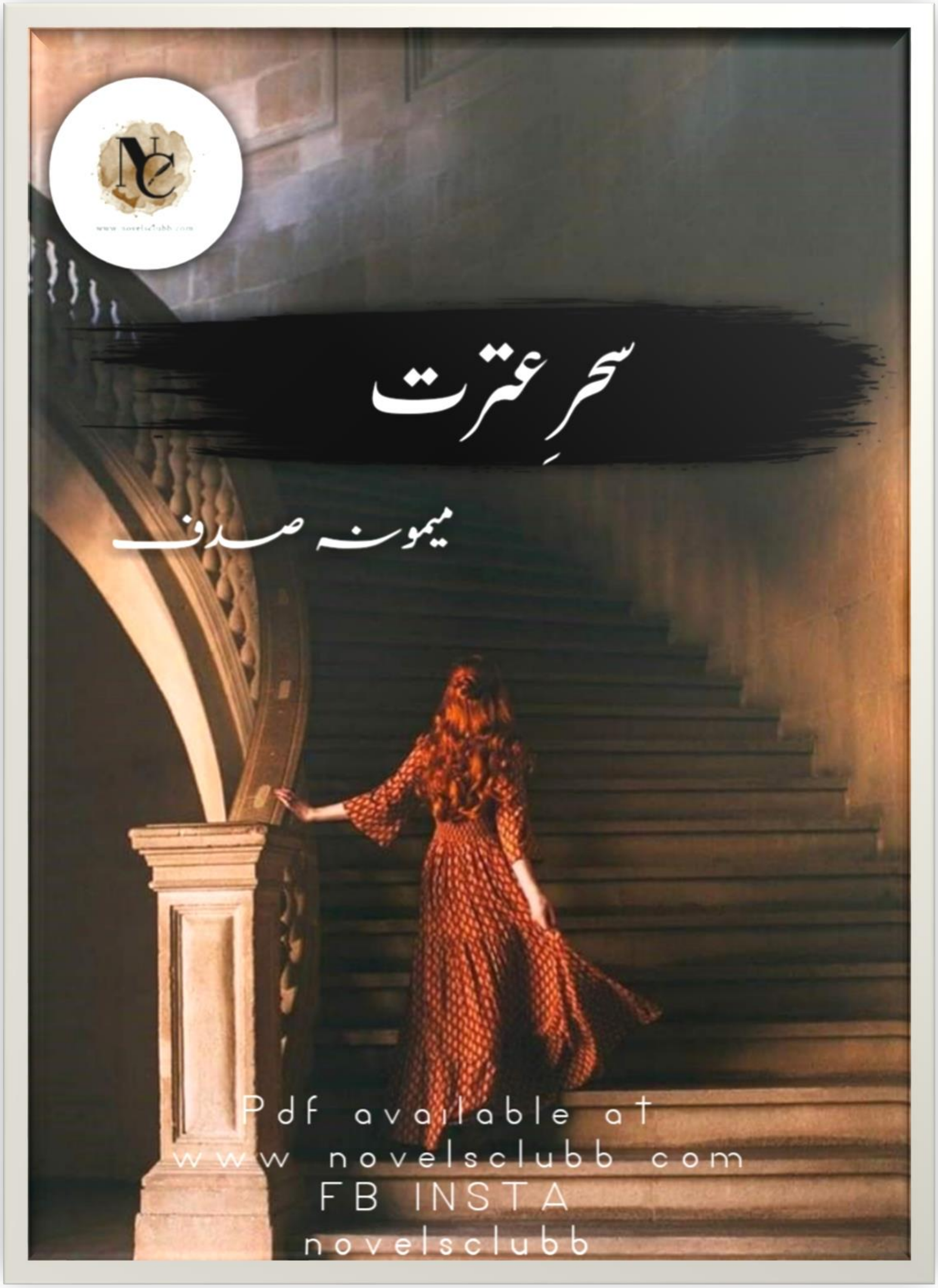
سحرِ عترت
میمونہ صدف
Pdf available at
www novelsclubb com
FB INSTA
novelsclubb

السلام علیکم

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔تو ہم سے رابطہ کریں۔

ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔

آپ اپنا لکھا ہوا ناول،افسانہ،شاعری،ناولٹ،کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں ورڈ فائل یا ٹیکسٹ فارم میں میل کریں

novelsclubb@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک،انسٹا پیج اور واٹس ایپ کے ذریعے بھی ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔

FB PAGE:

NOVELSCLUBB

INSTA:

NOVELSCLUBB

WHATSAPP:

سحرِ عترت

از

میمونہ صدف

www.novelsclubb.com

مکمل ناول

دیوار سے ٹیک لگائے اس نے اپنے ہاتھوں کو الٹ پلٹ کر دیکھا۔ کھردرے ہاتھوں پر ناخن نیلے پڑ رہے تھے۔ ہونٹوں کو سختی سے آپس میں پیوست کرتے اسے ان پر پپڑی جمے ہونے کا احساس ہوا۔ کبھی اس کے گلابی ہونٹ اپنی تازگی میں بے مثل تھے۔ ڈبڈبائی نگاہوں سے اس نے ڈوبتے سورج کو دیکھا۔ وہ سورج بھی ہر روز کی طرح اس کے دامن کی تکلیف اور آنسو بھر کر ڈوب گیا تھا اس کی زندگی کا اہم راز سینے میں دبائے۔ سورج کی زرد کرنوں میں اس کی سنہری رنگت زرد ہو گئی تھی۔ دور کسی مسجد سے اذان بلند ہو رہی تھی۔ نیچے جانے کا قصد کرتے جوں ہی اٹھنے کی کوشش کی تو شدید بدبو کے بھبکے اس کے نتھنوں سے ہوتے سانس ساکن کرنے لگے۔ اسے ابکائی آگئی۔ منہ پر ہاتھ رکھتے اس نے اٹھنے کی کوشش کی تو کسی انجانی قوت نے اس کے وجود کو جکڑ لیا۔ اپنی تمام قوت مجتمع کرنے کے باوجود وہ وہاں سے انچ بھر بھی نہ ہل سکی تھی۔ سامنے سے آتا وجود اس کے اوسان خطا کرنے کو کافی تھا۔ لرزتے وجود کے ساتھ اس نے خوف سے جھرجھری لی۔ ہاں وہ وہی تھا۔ وہ اس سے پہلے بھی کئی بار، کئی روپ میں مل چکی تھی۔ اس کی زندگی سے جڑا ایک بھیانک سچ۔۔۔ بے حد خوب صورت اور دراز قد شخص جس کی شخصیت پر حسن کی ملمع کاری بڑے ہی دلکش انداز میں کی گئی تھی مگر اس کے وجود سے اٹھتا تعفن اس کے سانس لینے کے عمل کو مشکل بنا رہا تھا۔ کوسوں دور ہونے کے باوجود وہ اس کی آنکھوں سے لپکتے شراروں کو اپنے وجود کے آرپار اترتا محسوس کر رہی تھی۔ وحشت سے اس نے آنکھیں میچ لیں۔

"گھبرانے یا ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ میں بس یہی کہنے آیا ہوں کہ اپنے گھر والوں کو منع کر دو کہ ان کی کوئی کوشش کارگر ـــــ نہیں ہونے والی جب تک میں تمہارے ساتھ ہوں اور میں کبھی تمہیں نہیں چھوڑنے والا۔ لاحاصل کوشش، بے فائدہ ہے۔"

اس کی آواز کسی گونج کی مانند گویا دو پہاڑوں کے بیچ

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

ٹکراتے ہوئے کانوں کے پردے پھاڑ رہی تھی۔ کانٹوں سے بھرے حلق سے تھوک نگلنا بھی محال لگ رہا تھا۔

"مت خود پر ظلم کرو اور مجھ پر بھی۔ تم مجھ سے الگ نہیں ہو سکتیں۔" اس کے بہت قریب سے آواز آئی تو گھٹی گھٹی سی چیخ اس کے حلق سے ابلی تھی۔

دیوار کا سہارا لیتے اس نے گرتے پڑتے وجود کو اٹھانے کی کوشش کی تو دماغ کے آگے گویا دھند چھا گئی۔ اتنی زور سے سر چکرایا کہ وہ وہیں ڈھے گئی۔ دماغ ماؤف ہونے سے پہلے اس نے دوبارہ اسے اپنے قریب آتے ہوئے دیکھا تھا تو گویا اب وہ اس کے کرچی کرچی وجود کو سمیٹ کر ہمیشہ کی طرح سب کے درمیان پہنچاوے گا۔

☼ ☼ ☼

"آئے ہائے لڑکو! کدھر مر گئی ہو سب کی سب۔ یقیناً" کسی کونے کھدرے میں گھسی ہوں گی۔ جب دیکھو وہ موئے ڈائجسٹ اٹھائے سر نہوڑائے بیٹھی رہتی ہیں۔ ذرا جو احساس ہو کہ مائیں پورا دن کولہو کے بیل کی طرح جتی رہتی ہیں۔ ذرا ہاتھ ہی بٹا دیں۔" تائی سکینہ خاتون کچن کے دروازے میں، ہاتھ میں کفگیر لیے کھڑی زور و شور سے تقریر کر رہی تھیں۔ سنانا ان ساتوں کو مقصود تھا۔

"ارے بھابھی بیگم! جانے دیں۔ بچیاں ہیں، دھوپ سینکنے اوپر چھت پر گئی تھیں۔ آپ لائیں میں باقی کے کام کر لوں گی۔ آپ جا کر آرام کریں۔" بختیار بیگم جو وہیں برآمدے میں نماز پڑھ رہی تھیں۔ عجلت میں دعا مانگے بغیر جائے نماز تہہ کرتی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"کیوں بھلا تم کیوں کرو؟ وہ نواب زادیاں کیوں نہ کریں۔ مفت کی روٹیاں توڑنے کے لیے پیدا کی تھیں ہم نے؟ کمبختوں کا دیدوں کا پانی ہی مر گیا ہے۔ چھٹی والے دن بھی مجال ہے جو ماؤں کو آرام دیں۔ پہلے پڑھتی ہیں، پھر سر جوڑے سیر حاصل تبصرے کرتی ہیں۔ میں آج ہی شمعون سے کہتی ہوں کہ آئندہ اس گھر میں ڈائجسٹ آئے تو ٹانگیں توڑ کر ہاتھ میں تھماؤں گی۔"

بختیار بیگم کچن میں چلی آئیں۔ صبح ناشتے کے برتن جوں کے توں گندے سنک میں پڑے منہ چڑا رہے تھے۔ چولہے پر ایک طرف پریشر ککر میں گوشت چڑھا ہوا تھا تو دوسری جانب آلو ابل رہے تھے۔ بختیار بیگم آدھ گھنٹہ پہلے ہی بابر کے ہمراہ سودے سے لدی پھندی بازار سے لوٹی تھیں۔ سارا سودا وہیں کچن میں ایک جانب رکھ کر نماز پڑھنے چلی گئی تھیں کہ نماز کا وقت نہ نکل جائے۔ کچن کی حالت زار پر غور نہ کیا تھا۔ اب جو کچن کا رخ کیا تھا تو جابجا بکھرے گندے برتنوں اور کام کو دیکھ کر انہیں احساس ہوا کہ سکینہ خاتون اپنے غصے میں حق بجانب تھیں۔ انہوں نے سر لپٹی چادر اتار کر کچن کے دروازے کے پیچھے لگی کھونٹی پر لٹکائی، سویٹر اور قمیص کی آستینیں موڑیں اور سنک میں دھرے برتنوں کے انبار کو نیچے لگی ٹونٹی تلے دھرا۔

پیڑھی گھسیٹ کر نل کھولے وہ تیزی سے ٹھنڈے پانی سے ہی ایک کے بعد ایک برتن دھونے لگیں۔ کمر کے درد کے باعث ان سے کھڑے ہو کر کام نہ ہوتا تھا۔ ان ساتوں پر اب انہیں بھی رہ رہ کر غصہ آنے لگا۔ صبح ان کے جانے سے پہلے جو چھت پر گئی تھیں تو اترنے کا نام ہی نہ لے رہی تھیں۔ برتن دھو کر انہوں نے سمیٹ کر برتنوں والی ٹوکری میں رکھے اور چھری کی مدد سے چولہے پر رکھے آلوؤں کو چیک کیا۔ آلو گل چکے تھے۔

پانی سنک میں گرا کر انہوں نے ٹھنڈے پانی سے آلوؤں کو نتھار لیا اور ایک طرف نکال کر رکھے۔ وہ چولہے کے برابر رکھے دیگچے کی جانب متوجہ ہوئیں۔ دیگچے کا ڈھکن ہٹا کر اندر جھانکا تو گرما گرم چکن قورمے کی مہک آئی تھی۔ بھابھی بیگم کا مخصوص چکن قورمہ تیار تھا۔ گھر میں رات کے مٹن پلاؤ کے لیے گوشت

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

چڑھا ہوا تھا۔ ان کے گھر میں دوپہر اور رات کے کھانے کے لیے الگ الگ سالن بنتا تھا۔

وہ سبک روی سے چلتی گھر کے پچھلے حصے کی جانب آئی تھیں جہاں سے سیڑھیاں اوپر چھت کی جانب جاتی تھیں۔ بختیار بیگم نے چھت کی منڈیر سے جھانکا تو اوپر کا منظر دیکھ کر کھول اٹھیں۔ وہ ساتوں ایک طرف پرانی دری بچھائے آپس میں سر جوڑے ڈائجسٹ ہاتھ میں لیے زور و شور سے تبصرے کر رہی تھیں۔

"غلط غلط۔ دیکھ لینا سکندر اور لیزا کبھی نہیں ملنے والے۔ لیزا' سکندر کی سچائی کا یقین نہیں کرے گی۔ جبکہ سکندر کے اپنے گھر والے بھی اس کے خلاف ہیں۔" ماریہ نے گھٹنوں کے بل آگے ہو کر مونگ پھلی کے شاپر سے مٹھی بھر کر مونگ پھلی نکال کر اپنے سامنے رکھی۔

"ماریہ بی بی! فرحت اشتیاق کی کہانیوں کا اختتام ہمیشہ اچھا ہوتا ہے۔" کنول کی طرف داری پر صفیہ نے سر اچکاتے فاتحانہ نگاہوں سے ماریہ کی جانب دیکھا۔

"تو بھلا یہ کیا بات ہوئی۔ متاعِ جاں ہے تو اور روز جو نہیں رکھتے تھے' کی تو کوئی اچھی اینڈنگ نہیں ہوئی تھی۔" سونیا نے ماریہ کی سائیڈ لی۔ اس کا چہرہ یکدم کھل اٹھا۔

"ایک لحاظ سے اچھی اینڈنگ ہی تھی۔" صفیہ نے ہاتھ اٹھاتے سونیا کو مزید بولنے سے روکا۔

"کم بختو! سب کی سب کان لپیٹے بیٹھی ہو ادھر۔ نیچے بھابھی بیگم نے گھر سر پر اٹھا رکھا ہے۔"

"ایک وہ کیوں؟" سونیا کے چہرے پر زمانے بھر کی معصومیت تھی۔

"کیونکہ تم لوگ اوپر چڑھی ہوئی ہو۔ نیچے وہ اکیلی کچن میں لگی ہیں۔ فرحت بھی جو عیادت کے لیے خالہ کلثوم کے جا کر بیٹھی ہے۔ تو لگتا ہے انہیں دوسرے جہان پہنچا کر کے ہی لوٹے گی۔ چلو اب نیچے اور آدھے گھنٹے میں سب کام نپٹاؤ۔ ڈیڑھ بجے تک کھانا دسترخوان پر چن دینا' ورنہ بھائی صاحب کے ہاتھوں درگت بنوانے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ آج میں بھی نہیں بچانے والی۔" انہوں نے تنبیہی نگاہوں سے ان سب کو گھورا تو سب نیچے کی جانب دوڑیں۔

بختیار بیگم نے دری پر جا بجا بکھرے مختلف ڈائجسٹ سمیٹ کر ایک جانب رکھے۔ مونگ پھلی کے شاپر کو باندھ کر گرہ لگائی۔ سالنے کے چھلکوں کو چن کر دیوار سے نیچے کھیتوں میں پھینکا۔ وہ کچن میں پہنچیں تو صفیہ روٹیاں بیل بیل کر توے پر ڈال رہی تھی اور ماریہ انہیں سینک رہی تھی۔ برابر والے چولہے پر کنزیٰ کڑاہی چڑھائے گرما گرم دیسی گھی میں سوجی بھون رہی تھی۔ بھنی بھنی سوجی کی خوشبو سے ان کے لبوں پر مسکراہٹ نمودار ہو گئی۔ سونیا آلوؤں کو مسل کر ان میں مسالے تیار کر کے ڈال رہی تھی۔ جبکہ برابر کھڑی ثوبیہ جلدی جلدی ٹکیاں بناتی' تلتی جا رہی تھی عطیہ رائتہ بنانے میں مصروف تھی۔ جبکہ کنول بھاگ بھاگ کر دسترخوان پر برتن لگا رہی تھی۔

ڈیڑھ بجے تک وہ ساتوں دسترخوان پر کھانا چن کر اپنی اپنی نشست سنبھال کر بیٹھ گئی تھیں۔ بابر' دادی کو ان کے کمرے سے لے کر وہیں چلا آیا۔

"ارے واہ جی واہ' آج تو چکن قورمہ بنا ہے۔ چھٹی کے دن ہماری واحد عیاشی تائی جی کے ہاتھ کا اسپیشل قورمہ ہوتا ہے۔" شمعون نے ڈونگے کا ڈھکن اٹھاتے قورمے کی مہک کو گہری سانس لے کر اپنے اندر اتارا۔

"تائی کا چمچہ!" سونیا نے گویا ناک پر سے مکھی اڑائی تھی۔

"ارے جاؤ کوئی بھابھی بیگم کو منا لاؤ۔ وہ اپنے کمرے میں ناراض بیٹھی ہیں۔ اس سے پہلے کہ بھائی جان آجائیں۔" بختیار بیگم نے باری باری سب لڑکیوں کی طرف دیکھا تو سب آنکھوں آنکھوں میں ایک دوسرے کو اشارے کرنے لگیں۔

"جاؤ نا سونیا بچے! تم بلا لاؤ۔ خواہ مخواہ بات کا بتنگڑ بن جائے گا۔" دادی نے برابر جگہ سنبھالی تھی۔

"لو بھلا سونیا ہر کام میں پھنستی ہے۔ آگے جاتے گھٹنے ٹوٹیں اور پیچھے دیکھتے آنکھیں پھوٹیں۔" برے

برے منہ بناتے وہ اپنی جگہ سے اٹھی تھی۔ عبدالغنی صاحب کے دسترخوان پر آنے پر سب لڑکے لڑکیوں کے باہر نکلتے دانتوں کو بریک لگی تھی۔

"تمہاری ماں کہاں ہے بابر؟" ان کا اشارہ اپنی زوجہ محترمہ سکینہ خاتون کی طرف تھا۔

"وہ بھائی صاحب بھابھی بیگم ناسازی طبیعت کے باعث آرام کررہی ہیں۔" فرحت بہار نے اپنے تئیں بات بنائی تھی۔

"ہوں۔" انہوں نے ہنکارا بھرا۔ اور سامنے رکھے ڈونگے میں سے قورمہ نکالتے ہوئے کھلی نگاہ سے فرحت بہار کی جانب دیکھا۔

عبدالغنی صاحب نے قورمے کی پلیٹ دادی کے آگے رکھی تھی جو اس بات کا عندیہ تھا کہ اب سب کھانا شروع کرسکتے ہیں۔ سب نے اپنے اپنے سامنے رکھے ڈونگے میں سے باری باری قورمہ ڈالا اور چنگیر میں سے روٹی نکالی۔ سونیا عبدالغنی صاحب کو سلام کرتے عطیہ کے برابر اپنی جگہ پر آبیٹھی۔ بختیار بیگم نے سوالیہ نظروں سے اس کی جانب دیکھا تو اس نے اثبات میں سرہلا دیا۔ بختیار بیگم نے سکھ کا سانس لیتے نوالہ توڑ کر منہ میں ڈالا۔ سکینہ خاتون ستا چہرہ لیے عبدالغنی کے برابر آکر بیٹھیں تو انہوں نے ناقدانہ بیگم کا جائزہ لیا۔ "کیا ہوا ہے تمہاری طبیعت کو؟"

"طبیعت کو؟" انہوں نے اچنبھے سے استفسار کیا تو سامنے بیٹھی لڑکیوں کے چہروں کی ہوائیاں اڑی تھیں۔

"وہ بس سر میں درد تھا۔" انہیں چند لمحے لگے تھے۔ تمام صورت حال سمجھنے میں۔ ویسے بھی کھانے کے دسترخوان پر رکھا رائتہ' آلو کے کٹلس اور سوجی کا گرما گرم بھاپ اڑاتا حلوہ ان کے چڑھے پارے کو قدرے نیچے لے آیا تھا۔

"چھٹی والے دن ان لڑکیوں کو کام پر لگایا کرو۔ آگے بھی پورا ہفتہ تم تینوں کو ہی کام کرنا ہوتا ہے۔" انہوں نے رائتے کا ڈونگا دادی کی جانب بڑھایا تھا۔ سکینہ خاتون نے ان ساتوں پر ناموسی نگاہ ڈالی تو وہ اپنی اپنی جگہ پانی پانی ہوگئیں۔

☼ ☼ ☼

"آج تو تم لوگ گئی تھیں کام سے" شکر کرو کہ بچ گئیں۔" بابر اور شمعون ان کے کمرے کے وسط میں رکھی کوئلے کی انگیٹھی کے آگے بیٹھے ہاتھ سینک رہے تھے۔

"میری بہن قسم سے آج اماں بول پڑتیں تو تم لوگوں کے سر کے جو گنے چنے بال رہ گئے ہیں نا وہ بھی نہ بچتے۔" بابر نے خصوصاً" کنول کے بالوں پر چوٹ کرتے کن انکھیوں سے اسے دیکھا۔ جس کے بال بہت باریک ہونے کی وجہ سے کم لگتے تھے۔

ابھی کنول نے کچھ کہنے کو منہ کھولا ہی تھا کہ کنزی بھاری سی ٹرے اٹھائے خراماں خراماں چلتی اندر داخل ہوئی تھی۔ "لو بھئی گرما گرم کشمیری چائے پیو اور دعائیں دو۔"

"یہ کام کیا ہے میری بہن نے۔ جیتی رہو تم سے شدید طلب ہو رہی تھی اس وقت۔" شمعون نے پیار سے چھوٹی بہن کو دیکھا تھا۔ رات کے کھانے کے بعد وہ دونوں کوئلے کی انگیٹھی ان کے کمرے میں دہکا کر اسی طرح محفل جماتے تھے۔

گرمیوں میں ان کی یہ محفل اوپر چھت پر جمتی تھی۔ جہاں سامنے کی دیوار نہ ہونے کی وجہ سے کھلی ہوا آتی تھی۔

"ہم ستمبر کے تمام شمارے منگا چکے ہیں۔ اب تم ہمیں اکتوبر کے شمارے لادو۔" چائے کی چسکی بھرتے ہوئے کنول نے چوکی پر بیٹھے شمعون کو مخاطب کیا۔

"ارے تم لوگ ابھی تک ستمبر کے شمارے چاٹ رہی ہو دسمبر کے مہینے میں۔" بابر نے گویا ان کا مذاق اڑایا تھا۔

"ہاں' یہ جو شہر جاکر ہمیں بروقت رسالے لاکر نہیں دیتا ہے۔ بس لوٹے پر خان کی دکان سے پرانے پرچے سمیٹ لاتا ہے۔" کوثر نے دانت پیسے خباثت سے دانت نکالتے شمعون کو گھورا۔

"ایک تو میں معصوم اپنی جان پر کھیل کر تائی اماں

ے چھپتے چھپاتے تم لوگوں کے لیے ڈائجسٹ خرید کر لاتا ہوں۔ اوپر سے یہ باتیں۔ نیکی کا تو زمانہ ہی نہیں۔" اس نے مصنوعی خفگی سے منہ پھلائے چائے کا کپ لبوں سے لگایا۔

"پورے ماہ تم لوگوں کے ڈائجسٹ شائع ہوتے رہتے ہیں۔ کوئی مہینے کے اختتام پر آرہا ہے، کوئی اگلے ماہ کے آغاز میں تو کوئی درمیان میں۔ میں پورا مہینہ جوتیاں چٹخاتا رہا کروں سرگودھا شہر کی۔" ایک ہی سانس میں کپ خالی کرکے اس نے ہاتھ جھاڑے۔ سارے جہاں کی مسکینی اس کے چہرے پر برس رہی تھی۔

"ایک اماں کافی نہیں تھیں محاورات میں طاق کہ تم نے بھی شاگردی کرلی ہے ان کی۔" سونیا نے ماں کے محاورات پر چوٹ کرتے شمعون کو گھورا تھا۔

بابر ہاتھ جھاڑتا اٹھ کھڑا ہوا۔ "کدھر برادرم؟ ابھی تو ساڑھے نو بھی نہیں ہوئے۔" شمعون نے کلائی پہ بندھی گھڑی پر ٹائم دیکھتے ہوئے ٹوکا۔

"بس یار! نیند سی آرہی ہے آج۔ سونے جارہا ہوں۔" بابر نے جمائی روکتے ہوئے توجیہہ پیش کی۔

"نہ میرے بھائی! مجھے ان چڑیلوں کے نرغے میں چھوڑ کر آپ خوابِ خرگوش کے مزے لوٹنے جارہے ہیں۔ یہ تو مجھ ناتواں کے ساتھ کوئی انصاف نہ ہوا۔" شمعون اس کے سامنے آہنی دیوار کی مانند راستہ روکے کھڑا تھا۔

"نہیں یار! بستر گرم ہونے میں بھی گھنٹہ لگ جائے گا۔ تب کہیں جاکر نیند آئے گی۔" بابر کی بات میں دم تھا۔ ایک تو ان کے قصبے میں یوں بھی گیس جیسی نعمت نہ تھی اور اگر ہوتی بھی تو سردیوں میں پھر بھی وہ اس نعمت سے محروم ہی رہتے۔ جیسا اردگرد کے وہ تمام قصبے رہتے تھے۔ جہاں یہ نعمت موجود تھی۔ ایک انگیٹھی وہ اس کمرے میں جلاتے تھے تو دوسری دادی کے کمرے میں جلتی تھی۔ جہاں ساتھ میں فرحت بہار اور مختیار بیگم بھی ہوتی تھیں۔ مختیار بیگم کے تو شوہر ملک بھی باہر ہوتے تھے اور فرحت بہار جب سے بیوہ

دنیا بھر سے منتخب معیاری ادب

عمران ڈائجسٹ

Emale: id@khawateendigest.com

دسمبر 2013 کے شمارے کی ایک جھلک

جادوگر

تم سے دور نہیں

وفا پرست

دیوار شکن

کاغذی ہتھیار

ایمان کی منزل

آندھی

فرار

جرم و سزا

تکمیل

سنگریزے

دسمبر 2013 کا تازہ شمارہ آج ہی خرید لیں

ہوئی تھیں' اپنا کمرہ چھوڑ کر مستقل دادی کے کمرے میں ہی بسیرا کرلیا تھا۔ اپنے کمرے میں گھٹن ہوتی تھی اور دادی کا ساتھ کسی نعمت سے کم نہ تھا۔ سردیوں میں لڑکے اپنا کمرہ چھوڑ کر اپنی چارپائیاں کچن میں بچھا کر وہیں سوتے تھے کہ وہ قدرے گرم ہوتا تھا۔ گرمیوں میں البتہ وہ دونوں اوپر مٹی کی بنی کوٹھری میں سوتے تھے۔ سوندھی مٹی کی بنی کوٹھری کی اپنی باس تھی جو عجیب طرح سے سحر میں مبتلا کیے رکھتی تھی۔

بابر اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے اسے ساتھ لے گیا تھا۔ وہ ساتوں اپنے اپنے بستروں میں دبکی گھس رہی تھیں۔ ماریہ سونیا کے ساتھ ایک ہی چارپائی پر سوتی تھی۔ کنول اور صفیہ بھی ایک ہی چارپائی پر سوتی تھیں' جبکہ ثوبیہ' کنزیٰ اور عطیہ دو چارپائیاں جوڑ کر سوتی تھیں۔ ان تینوں کی چارپائیاں کمرے کے آخر میں رکھی پیٹی کے برابر بچھی تھیں۔

"چلو صفیہ! تم اٹھ کر انگیٹھی اور لائٹ بجھاؤ۔ آج تمہاری باری ہے۔" ان ساتوں نے ہفتے کے دن بانٹ رکھے تھے' انگیٹھی اور لائٹ بجھانے کے لیے اور آج صفیہ کی باری تھی۔ منہ کے زاویے بگاڑتے اس نے اوپر سے لحاف اتارتے ایک طرف کیا اور چپل پاؤں میں اڑستے ہوئے انگیٹھی تک آئی۔ پاس دھری تپائی سے پانی کا جگ اٹھا کر انگاروں پر انڈیلا اور بتی گل کرکے اندھیرے میں ٹاک ٹوئیاں مارتی اپنے بستر کی جانب بڑھی۔

"چلو بھئی شروع کرو اب۔" اندھیرے میں ابھرنے والی پہلی آواز سونیا کی تھی۔

"صبر تو کرو' مجھے لیٹ تو لینے دو۔"

"تو ابھی تک تم بستر پر نہیں پہنچیں؟"

عطیہ نے اپنے موبائل کی تلاش میں ہاتھ بستر پر پھیرا' تاکہ اس کی ٹارچ آن کرسکے۔ تب ہی ایک چیخ بلند ہوئی۔

"ہائے کم بخت صفیہ میری پسلیاں توڑ ڈالیں۔" چیخنے والی سونیا تھی۔

صفیہ اپنی چارپائی پر پہنچنے کے بجائے اپنی چارپائی سے پہلے والی پر جا پہنچی تھی۔ عطیہ کا ہاتھ کپڑوں کی پیٹی پر رکھے اپنے موبائل سے ٹکرایا تو اس نے ٹارچ آن کی۔ صفیہ سونیا کی چارپائی کی پائنتی پر گری تھی۔

"لکھ لعنت" سونیا پسلیاں سہلاتے واپس لحاف اوڑھ کر لیٹ گئی۔

"بس بھی کریں نا اب۔ کنزیٰ باجی آپ اپنا ریڈیو لگائیں نا۔ سگنل پکڑنے میں بھی ٹائم لگتا ہے۔" ماریہ نے اکتاہٹ بھرے لہجے میں کہا تھا۔ وہ لحاف اوڑھے دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ ماریہ چھوٹی ہونے کے باعث دیوار کی طرف سوتی تھی۔

کنزیٰ نے جوں ہی ریڈیو آن کیا کمرے میں ابھرنے والی بھانت بھانت کی آوازیں دم توڑ گئیں۔ جو واحد آواز اب ریڈیو پر ابھر رہی تھی۔ وہ ڈی جے حسنین کی تھی۔ ساتوں دم سادھے اسے سن رہی تھیں۔ جب گانا لگا تو کنول نے ٹھنڈی آہ بھری۔

"ہاہاہا کیا آواز ہے اس بندے کی۔"

"آواز سے زیادہ انداز متاثر کن ہے۔" وہ عطیہ تھی۔

"میں تو اس بندے کے سینس آف ہیومر کی مداح ہوں۔" ثوبیہ نے بھی اپنا حصہ ڈالا۔

"شکر ہے اس ویرانے میں یہ اسٹیشن تو آتا ہے۔ یہ بھی کسی نعمت سے کم نہیں ہے۔ ورنہ تو اس کال کوٹھڑی میں دم گھٹ جاتا ہمارا۔" سونیا اپنی ہی ترنگ میں بولے جارہی تھی۔ ماریہ نے غصے سے لحاف پرے دھکیلا۔

"کیا ہے ماریہ! ٹھنڈ آرہی ہے نا۔" سونیا نے اسے ڈپٹا۔

"مجھے گانے کیوں نہیں سننے دے رہے آپ لوگ۔" وہ منہ بنا کر بیٹھی تھی۔

"ہم تو محض حسنین جی کو سنتے ہیں۔" ثوبیہ نے جی پر زور دیا۔

صفیہ منہ سر لپیٹے چند ثانیے بعد ہی گہری نیند میں جا چکی تھی اور اب اس کے ہیبت ناک خراٹے پورے کمرے میں گونج رہے تھے۔

"لو جی شروع ہے راگ ملا۔" کنول جو اس کے برابر لیٹی تھی۔ کان بند کر کے بیٹھ گئی۔

"اس جیسے کے سر کوئی لگا سکتا ہے۔"

تب ہی عطیہ کے موبائل کی میسج ٹون بجی۔

"لو بھئی شمعون صاحب کا میسج ہے کہ تم چڑیلوں کے قہقہے پورے گھر میں گونج رہے ہیں۔ اس سے پہلے کہ تایا ابا کسی دیو کی مانند حاضر ہوں خاموشی سے سو جاؤ۔" عطیہ مسکراتے لبوں سے اس کا میسج با آواز بلند پڑھ رہی تھی۔

"وہ بے چارہ وہاں باورچی خانے میں تپ رہا ہو گا نا۔ بابر تو سو گیا ہو گا۔" ثوبیہ ہنستے ہوئے بولی تھی۔

کچن ان کے کمرے کے بالکل ساتھ تھا۔ لہٰذا بند کمرے میں گونجنے والے قہقہے با آسانی سنے جا سکتے تھے۔ مگر تایا ابا کے کمرے تک آواز جانا ناممکنات میں سے تھا۔ جن کا کمرہ برآمدہ عبور کرکے کچے صحن کے آخر میں تھا۔ ان کے کمرے کے برابر کمرہ بڑا کمرہ کہلاتا تھا۔ جسے وہ بطور بیٹھک مہمانوں کے لیے استعمال کرتے تھے۔ اس سے اگلا کمرہ لڑکوں کا تھا جو سردیوں میں اس وقت خالی پڑا ہوتا تھا۔ لڑکوں کے کمرے سے اگلا کمرہ دادی کا تھا۔ جس کا ایک دروازہ لڑکوں کے کمرے میں ہی کھلتا تھا۔ دادی کا کمرہ برآمدے کا اختتام تھا اس سے آگے کچی زمین شروع ہوتی تھی جہاں طرح طرح کی سبزیاں اگی ہوئی تھیں۔ سکینہ خاتون جب بیاہ کر اس گھر میں آئی تھیں تو بے مصرف پڑے اس کچے حصے میں سبزیاں اگا کر ہر روز خرچ ہونے والی رقم کو بچا کر جس سمجھ داری کا ثبوت دیا تھا وہ آج بھی برقرار تھی۔ زمین کے اس کچے حصے سے اگلا کمرہ فرحت بہار کا تھا۔ جو اب مختار بیگم کے زیر استعمال تھا اور ساتھ آخری کمرہ عبدالغنی اور سکینہ خاتون کا تھا جہاں تک ان کے گونجتے قہقہے پہنچنے سے پہلے ہی دم توڑ دیتے تھے۔ اس لیے اس معاملے میں وہ بھی خاص احتیاط نہ برتتی تھیں۔

"بس کرو نا اب' ساڑھے دس ہو رہے ہیں۔ صبح نماز کے لیے آنکھ نہیں کھلے گی۔" کنزیٰ نے موبائل تکیے کے نیچے رکھ دیا۔

"ہمیں تو نہیں پڑھنا نا نماز۔" سونیا نے دانت نکوسے۔

"پڑھنا چاہیے نا تب ہی تو۔" وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی تھی۔

"ہاں تم تو پڑھتی ہو نا تو تم کون سا محفوظ ہو؟" سونیا اس کی ادھوری بات کا پس منظر بخوبی جان گئی تھی۔

"اچھا اب لڑنا بند کرو۔ سب آیت الکرسی پڑھو' چاروں قل بھی اور خود پر پھونک کر سونا۔" عطیہ نے موبائل کی ٹارچ آف کرکے پٹی پر واپس رکھ دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"واہ واہ آج تو مزہ آگیا تائی اماں۔ ایک اور ہو جائے۔" شمعون کے ان توصیفی کلمات پر گرما گرم پراٹھے بیلتی سکینہ خاتون کا ڈھیروں خون بڑھ گیا تھا۔ فوراً "اس کے صدقے واری جاتی" اگلا پراٹھا بیلنے لگیں۔ وہ دو پراٹھے چائے کے ساتھ ختم کرکے مزید پر اٹھانوش فرمانے کا پروگرام رکھتا تھا۔

فرحت بہار پاس رکھی پیڑھی پر بیٹھی آملیٹ کے لیے باریک پیاز کتر رہی تھیں۔ صبح کا ناشتا وہ سب بڑے اہتمام سے وہیں باورچی خانے میں ہی نیچے پیڑھی پر بیٹھ کر کرتے تھے۔ جیسے جیسے سب اٹھتے جاتے' منہ ہاتھ دھو کر کپکپاتے بدن اور بجتے دانتوں کے ساتھ باورچی خانے کا رخ کرتے۔ صبح صبح سلنڈر کے چولہے پر ہلکی آنچ پر سنکتے گرما گرم پراٹھوں کی مہک پورے باورچی خانے میں رچی بسی ہوتی۔

"آپ اٹھو گے تم؟ میں کب سے دروازے میں کھڑی انتظار کر رہی ہوں کہ جناب کا ناشتا ختم ہو۔"

"ارے کھانے دے کیوں بچے کو نظر لگاتی ہے؟"

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

سکینہ خاتون اس کی سب سے بڑی حمایتی تھیں جو سب لڑکیوں سے کسی طور ہضم نہیں ہوتا تھا۔

صنف اور سونیا کب کی ناشتا کر کے اپنے اسکول کی طرف نکل گئی تھیں۔ ان دونوں نے بی اے کے بعد تعلیم کو خیرباد کہہ دیا تھا اور ایک قریبی اسکول میں تدریس کے شعبے میں اپنے فرائض انجام دے رہی تھیں۔ چند ثانیے قبل ماریہ بھی بابر کے ساتھ موٹر سائیکل پر اپنے اسکول روانہ ہو چکی تھی۔ وہ دسویں کلاس کی طالبہ تھی۔ بابر اسے اسکول چھوڑتا ہوا اپنے کمپیوٹر انسٹی ٹیوٹ روانہ ہو جاتا تھا۔ جہاں وہ کمپیوٹر کے شارٹ کورسز سکھاتا تھا اور شام میں کسی قریبی ٹیوشن سینٹر میں ٹیوشن کلاسز لیتا تھا۔ ثوبیہ اور کنول دونوں گھر بیٹھے پرائیویٹ بی اے کر رہی تھیں اور ساتھ میں ایک دستکاری اسکول سے سلائی بھی سیکھ رہی تھیں۔ دونوں اکٹھے ہی دس بجے کے قریب پیدل دستکاری اسکول جاتی تھیں۔ بچی تھیں وہ اور کنزیٰ جو روز شمعون کے دیر سے جاگنے کے سبب کالج سے روزانہ لیٹ ہوتی تھیں۔

کنزیٰ سرگودھا شہر سے بی ایس سی اور عطیہ بی کام کر رہی تھی۔ شمعون دونوں کو موٹر سائیکل پر اڈے تک اتارتا اور وہاں سے دونوں مطلوبہ بس کے ذریعے شہر تک آتی تھیں۔ خود شمعون تایا ابا کے ساتھ پھر نو بجے تک دکان کے لیے نکلتا تھا۔ تایا ابا یعنی عبدالغنی صاحب کی وہیں سرگودھا شہر کے قریب ہی اینٹوں کی بہت سی بھٹیاں تھیں۔ تایا ابا کو وہاں چھوڑتا وہ خود سرگودھا شہر میں اپنی فوٹو شاپ پر چلا جاتا۔

دنیا جہاں کی خوبیوں کا حامل شمعون باسط پڑھائی کا چور نکلا تھا۔ ایف اے کر کے ہی تعلیم کو خیرباد کہہ کر اپنی فوٹو شاپ دکان کھول لی تھی۔

عطیہ کی کشادہ پیشانی پر پڑنے والی ناگوار سلوٹوں میں جوں اضافہ ہوا تو شمعون وہیں پر ناشتا چھوڑ کر ہاتھ چنگیر میں رکھے دستر خوان سے پونچھتا جست لگا کر کھڑا ہو گیا تھا۔

"ارے ناشتا تو پورا کرتا جا۔" فرحت بہار نے بے اختیار ٹوکا۔

"چاچی جی! اگر مزید یہاں بیٹھا رہا تو یہ محترمہ میری گچی موڑ دیں گی۔" اس نے بڑی دلچسپی سے اس کے تپے ہوئے روپ کو دیکھا تھا۔

وہ کلستی جھلاتی باہر کی جانب بڑھی تو شمعون کے لبوں پر مبہم سی مسکراہٹ نے احاطہ کر لیا۔ اپنی یہ کزن اس کے دل کے کچھ زیادہ ہی قریب تھی۔

"او کے تائی لماں! باقی پراٹھے ادھار رہے۔" شرارت سے مڑتے ہوئے اس نے سکینہ خاتون کو مخاطب کیا تو وہ بڑے پیار سے اسے دیکھتے ہوئے دل ہی دل میں اس کی بلائیں لینے لگیں۔ بلاشبہ ان کا یہ بھتیجا گھر بھر کی رونق تھا۔

عبدالغنی گھر کے بڑے بیٹے اور سرپرست تھے۔ بہت بچپن ہی میں یتیمی کی چادر اوڑھے انھوں نے ابا کے اینٹوں کی بھٹیوں کو بڑی جانفشانی اور محنت سے سنبھالا تھا۔ اپنے تین چھوٹے بہن بھائیوں اور ماں کی ذمہ داری بخوبی نبھاتے عبدالغنی بچپن سے ہی بڑے سنجیدہ اور سمجھدار تھے۔ سکینہ خاتون جب ان کی زندگی میں بیاہ کر لائی گئیں تب ان کی عمر کوئی بیس سال تھی۔

عبدالغنی سے چھوٹے عبدالباسط تھے جو شروع سے لاہور میں رہ کر پڑھے تھے۔ خود تو عبدالغنی حالات کے باعث کچھ خاص نہ پڑھ سکے۔ مگر باقی بھائیوں کو اچھی تعلیم دلوائی تھی۔ ایف ایس سی کے بعد ڈپلوما کر کے عبدالباسط سعودیہ چلے گئے تھے۔

عبدالباسط سے چھوٹی راحیلہ تھیں جن کی میٹرک کے بعد ہی عبدالغنی نے اپنے دوست کے ساتھ شادی کر دی جو مسقط میں مقیم تھے۔ لہٰذا شادی کے فوراً بعد راحیلہ باہر چلی گئیں۔

راحیلہ سے چھوٹے عبدالکریم تھے جو سرگودھا شہر میں کپڑے کا کاروبار کرتے تھے۔ عبدالکریم نے بھی بی اے لاہور رہ کر ہی کیا تھا۔ مگر واپس آکر کوئی نوکری کرنے کے بجائے کاروبار کرنے کو ترجیح دی۔ کسی کی

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

نوکری کرنا ان کی فطرت کے خلاف تھا۔

عبدالباسط اور عبدالکریم کی شادیاں اماں نے اپنی بھتیجیوں بختیار بیگم اور فرحت بہار سے کی تھیں۔ دونوں بہنیں ہی فطرتاً سادہ مزاج اور ملنسار تھیں۔

ارباب عبدالغنی صاحب کا سب سے بڑا بیٹا تھا جو پڑھائی کی غرض سے لاہور گیا اور ماسٹرز کرنے کے بعد وہیں کا ہو کر رہ گیا۔ ارباب کی اس بے اعتنائی نے عبدالغنی کو اندر سے اتنا توڑا تھا کہ انہوں نے پھر گھر کے کسی بچے کو تعلیم یا نوکری کی غرض سے لاہور نہیں جانے دیا۔ ارباب سے چھوٹا بابر اور اس سے چھوٹی سونیا اور پھر عطیہ تھیں۔

عبدالباسط کے دو ہی بچے شمعون اور کنزیٰ تھے۔ باہر سیٹل ہونے کے باوجود انہوں نے اپنی فیملی کو وہیں اپنے آبائی گھر میں ہی رکھا تھا کہ یہ دادی کی بھی خواہش تھی۔

عبدالکریم کا انتقال تب ہوا جب ان کی سب سے چھوٹی بیٹی ماریہ تیسری میں تھی۔ ماریہ سے بڑی ثوبیہ اور کنول دونوں جڑواں تھیں اور ان سے بڑی صفیہ تھی۔

"سنو شمعون! واپسی پر آتے ہوئے شہر سے نمکین سموسے اور گرما گرم جلیبیاں لے آنا۔" عجلت میں چابی اٹھاتا شمعون یک دم پلٹا تھا۔

"کیوں خیریت؟" اس نے حیرانی سے پوچھا۔

"ہاں وہ آج کچھ مہمان آرہے ہیں سونی کو دیکھنے۔" تائی اماں کی آنکھوں میں چمک تھی۔

"سو حیا نے والے آرہے ہیں۔" وہ یکدم پھر سے شرارت پر آمادہ نظر آیا تو سکینہ خاتون مسکرا دیں۔

"جو خدا کو منظور ہو بیٹا۔ بس دعا کرو کہ سب خیریت سے گزر جائے۔" وہ بھی دل میں سونیا کے لیے دعا کرتا ہوا باہر کی جانب لپکا۔

✲ ✲ ✲

"آج تو وہ آنٹی رشتہ پکا کر کے ہی جائیں گی۔ تم سے اتنی پیاری لگ رہی ہو کہ کہیں میری ہی نظر نہ لگ جائے۔" "یقیناً" "پیار دل کی قارہ ایسی ہی ہو گی۔" ثوبیہ نے شوخی سے اس کے بازو میں چٹکی کاٹی تو وہ ہنس دی۔

"بس جی دعا کریں اندر آنے والا رشتہ بھی ہینڈسم سے ولی جیسا ہو۔" کنول کے کہنے پر سب کے لبوں سے آمین بلند ہوا تو سونیا کھلکھلا کر ہنس دی۔

"بالکل پاگل ہو گئی ہو تم لوگ تو۔ مجھے کوئی ولی نہیں چاہیے۔"

"ہائیں تو پھر؟" وہ سب حیرت سے گویا ہوئیں۔

"مجھے ابھی کچھ دن لگیں گے" کا دانیال عابد پسند ہے۔" ہونٹوں پر شرمگیں مسکراہٹ لیے اس نے جواب دیا تو کنزیٰ فوراً بولی۔

"تو جی دانیال عابد نے اتنا مقصود کے ساتھ جو کیا وہ بھول گئیں جناب۔"

"میری کوئی دوست رباب سلیم نہیں ہے۔ البتہ تم میں سے کوئی آستین کا سانپ نکل آئے تو اور بات ہے۔" عطیہ نے دو کڑے اس کے ہاتھوں میں پہنائے تھے۔

"سنا ہے جیجاجی کا بڑا سا شوروم ہے فرنیچر کا سرگودھا شہر میں اور خیر سے اکلوتے چشم و چراغ ہیں۔ چار بہنوں کا اکلوتا بھائی۔" عطیہ نے سب کو معلومات بہم پہنچائیں۔

"خیر سے دو کلو مٹھائی لائے ہیں جناب۔" صفیہ کے منہ میں پانی بھر آیا۔

"اے لو ان محترمہ کو کھانے کی پڑی ہے۔ اپنا پھیلتا ہوا سراپا جا کر آئینے میں دیکھو۔ خیر سے سونی کے بعد تمہاری باری ہے۔" کنول نے اسے شرم دلائی۔

"وٹ از ناٹ مائی پرابلم' پیٹ از مائی پرابلم۔" اس نے اپنے بڑھے ہوئے پیٹ کو تاسف سے دیکھا۔

"یہ صرف پرابلم نہیں ہے میڈم' یہ تو پرابلم کا پہاڑ ہے۔"

وہ ناراض ہو کر باہر چلی گئی تو سب ہی ہنس دیں۔ سونیا نے عطیہ کو گھرکا۔

"ٹھیک کیا ہے بالکل۔ اسے شرم نہ دلائی گئی تو ایک

دن خطوط طول بلد اور ارض بلد پر پھیلا یہ رقبہ پھٹ جائے گا۔" کنول نے عطیہ کی کارکردگی پر اس کی پیٹھ ٹھونکی۔

"چلو سونی! اب تم کچھ دیر شرمانے کی اداکاری ہی کرلو۔ دیدے پھاڑے اندر مت جانا۔"

"ارے او لڑکیو! سونی تیار ہوئی کہ نہیں؟" باہر سے اپنی ہی دھن میں آتی سکینہ خاتون بری طرح چونکی تھیں۔ کاسنی رنگ کے گھیرے والے فراک پر بڑا سا دوپٹا سر پر اوڑھے، ہونٹوں پر ہلکی سی لپ اسٹک اور آنکھوں میں کاجل کی ہلکی سی دھار لگائے، کانوں میں سفید موتیوں کے ہی آویزے پہنے دمکتا روپ لیے سامنے بیٹھی لڑکی پر ان کی نظر نہ ٹک رہی تھی۔ دل ہی دل میں اپنی بچی کی لاکھ بلائیں لیتی اور لرزتے دل کے ساتھ آنکھوں میں در آتی نمی کو انہوں نے صاف کیا تو سب ہی مغموم ہو گئیں۔

"چلو وہ لوگ بار بار پوچھ رہے ہیں تمہارا۔" ان کی لرزتی آواز پر ایک سایہ سب کے چہروں پر لہرا گیا تھا۔ اندر بیٹھی خاتون جو بختیار بیگم کے ساتھ باتوں میں محو تھیں۔ اسے اندر آتا دیکھ کر چونکیں۔ "ماشاء اللہ" بے اختیار ہی ان کے لبوں سے پھسلا تھا۔ اپنے بھدے نقوش اور پکے رنگ والی بیٹی کی جانب انہوں نے بڑی داد طلب نظروں سے دیکھا۔ جس کی نگاہوں میں بھی واضح پسندیدگی ابھری تھی۔ دادی، عبدالغنی، بابر اور شمعون پہلے ہی سے اندر براجمان تھے۔

"یہاں بیٹھو ہمارے پاس آکر۔" اپنی بیٹی کے برابر انہوں نے اس کے لیے جگہ بنائی تھی۔ وہ ان کے برابر آکر نظریں جھکائے بیٹھ گئی۔ نہ جانے کتنی دیر وہ میٹھی میٹھی نظروں سے اس کے رنگ و روپ کو نہارتی رہیں۔ سب لڑکیاں ہی باہر لائن بنائے دروازے سے کان لگائے کھڑی تھیں۔ یہ رشتہ بابر کی وساطت سے آیا تھا۔ خاندان اور لڑکا دونوں بھلے معلوم ہوتے تھے۔ لہٰذا اب کی ہی مرضی تھی اس رشتے میں اور سب بھی چاہتے تھے کہ بغیر کسی بدمزگی کے تمام امور سرانجام پا جائیں۔

"کیا کرتی ہیں آپ بیٹا؟" مہمان خاتون نے بڑے پیار سے پوچھا۔

"میں پڑھاتی ہوں۔" بڑی شائستگی سے اس نے جواب دیا۔

"ماشاء اللہ۔" فرحت بہار چائے کے لوازمات لیے اندر داخل ہوئی تھیں۔

"پڑھانے کے علاوہ آپ کیا کرتی ہیں؟" برابر بیٹھی لڑکی نے ٹانگ پر ٹانگ چڑھاتے بڑی دلچسپی سے اسے دیکھا۔ "گھر کے کام کاج اور رسالے پڑھنا۔" اس نے رسان سے جواب دیا۔

"ارے واہ! مجھے بھی رسالے پڑھنے کا جنون ہے۔" اس نے فرحت بہار کے ہاتھ سے گرما گرم چائے کا کپ تھامتے ہوئے بڑے جوش سے جواب دیا تو وہ مبہم سا مسکرا دی۔

"کون سی رائٹر آپ کی فیورٹ ہے؟ میری تو عمیرہ احمد، نگہت عبداللہ، نمرہ بخاری، فائزہ افتخار، فرحت اشتیاق، ماہا ملک، نگہت سیما، رخسانہ نگار عدنان بہت ہی فیورٹ ہیں۔" وہ سب معنی خیز نگاہوں سے ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرائیں۔

"کوئی رہ گیا ہے؟" عطیہ بڑبڑائی تو ان سب کی ہنسی چھوٹتے چھوٹتے رہ گئی۔ لڑکی ان ہی کی طرح باتونی ہی تھی۔

"ہماری بس فرحت اشتیاق ہی زیادہ فیورٹ ہیں۔" اس نے چائے کی چسکی بھرتی لڑکی کو دیکھتے ہوئے جواب دیا تو وہ سر ہلا کر رہ گئی۔

"کون سا کردار پسند ہے، آپ کو فرحت کے ناول کا؟"

"ہر کردار ہی پسند ہے۔ سارے ہیروز، ساری ہیروئنز۔"

"مجھے تو عالی بہت پسند ہے پر اسے جب اتنی قسطوں کے بعد مرا ہوا پایا تو میں بہت ہی روئی تھی۔ فرحت نے اچھا نہیں کیا۔" وہ دل مسوس کر بولی تو باہر کھڑی لڑکیوں نے پھر سے اپنی ہنسی دبائی۔

"اگر عالی نہ مرتا تو وہ ناول ہٹ کیسے ہوتا؟" جن

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

کہانیوں میں ہیرو مر جاتے ہیں۔ وہی امر ہو جاتی ہیں۔" دکھ تو انہیں بھی بہت تھا۔ مگر اب سوگ مناتے بہت وقت گزر گیا تھا۔

"ہاں یہ تو ہے ویسے۔" بسکٹ منہ میں رکھتے وہ بھرے منہ سے بولی۔

"ویسے مجھے "دل سے نکلے ہیں جو لفظ" کی وولیم کمال اور عمر حسن بھی بڑے پسند ہیں۔" سونیا نے محض سر ہلانے پر اکتفا کیا۔ حلق میں جیسے کانٹے سے چبھنے لگے تھے۔ اس نے اپنے تھوک کو نگلتے حلق کو تر کرنے کی کوشش کی۔ مگر بے فائدہ اس کے حلق میں پھندا سا لگنے لگا تھا اور تنفس یکدم تیز ہو گیا تھا۔ بدن میں انگارے سے بھر گئے تھے۔ اس نے گردن پر ہاتھ رکھ کر جیسے خود کو کسی کی گرفت سے آزاد کرنے کی سعی کی۔

"اماں۔۔" گھٹی گھٹی سی آواز پر سب ہی چونکے۔ سکینہ خاتون فوراً" اس کی طرف لپکیں۔ "کیا ہوا ہے سونی تجھے؟" باہر کھڑی لڑکیوں نے خوف سے ایک دوسرے کی جانب دیکھا۔

"پھر سے وہی۔" صفیہ کی بڑبڑاہٹ پر سب ہی جیسے سہمے سی گئیں۔

"اماں وہ۔۔ وہی ہے پھر سے۔۔ میرا گلا۔۔ مار دے گا مجھے۔" نامکمل جملے بولتے اس نے اپنی جانب پانی کا گلاس اندر انڈیل لیا۔ مہمان خاتون اور ان کی بیٹی نے حیرت سے برابر بیٹھی انگارہ بنتی لڑکی کی جانب دیکھا جو گلا پکڑے صوفے سے نیچے لڑھک گئی تھی۔ جسے آگے بڑھ کر سکینہ خاتون نے تھام لیا اور ان کے لب تیزی سے ورد کرنے لگے۔

"گلا۔۔ میرا گلا۔۔ ہائے اماں۔" وہ درد سے بلبلا رہی تھی اور ساتھ بیٹھے مہمان کچھ بھی سمجھنے سے قاصر بس تکر تکر سب دیکھتے چلے جا رہے تھے۔

"یہ کیا ہو رہا ہے بچی کو؟" لبوں پر مچلتے سوال کو الفاظ کا جامہ پہنا ہی دیا گیا۔ زرد چہرہ لیے بختیار بیگم نے بے بسی سے انہیں دیکھا۔

"وہ بس۔۔ ذرا طبیعت بگڑ گئی ہے۔ گھبرا گئی ہے شاید۔" اپنے ہی الفاظ ان کی زبان کا ساتھ دینے سے انکاری تھے۔

خاتون نے آنکھوں ہی آنکھوں میں بیٹی کو اشارہ کیا۔ پھر وہ خاموشی سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ بختیار بیگم اور فرحت بہار نے انہیں روکنے کی کوشش کی مگر بے سود تھا سب۔

"سات سات بیٹیوں کا بوجھ ہے اس گھر پر مگر نہ جانے کس کی نظر لگ گئی ہے اس گھر کی خوشیوں کو۔ کب ہم اتار پائیں گے اس بوجھ کو۔" سکینہ خاتون نے سونیا کو تھپکتے، روتے ہوئے آنسو صاف کیے۔

"سکینہ ایسے مت کہہ۔۔ بچیاں بوجھ نہیں ہیں ہم پر۔ فرض ہے یہ ہمارا۔" دادی نے ان کے الفاظ کی سنگینی کو کم کرنا چاہا۔ مگر دروازے میں کھڑی سب لڑکیوں کے چہرے سے دکھ ٹپک رہا تھا۔ سکینہ خاتون کو احساس ہوا کہ دکھ اور غصے میں وہ کیا بول گئی ہیں۔ مگر اب کیا فائدہ تھا اس احساس کا۔

عبدالغنی کسی شکست خوردہ شخص کی طرح سر جھکائے بڑے کمرے سے باہر چل دیے۔ سامنے بیٹھا شمعون دکھ بھری نگاہوں سے اپنے سامنے بیٹھی اس زندگی سے بھرپور لڑکی کو اس حال میں دیکھ رہا تھا۔ کسی نے ایک گھونسا دل پر مارا تھا۔ یہ سب کب سے ہوتا آ رہا تھا۔ اسے ٹھیک سے یاد تھا۔ مگر پچھلے پانچ ماہ سے ایسا کچھ بھی غیر معمولی نہیں ہوا تھا۔ پھر آج اچانک یوں۔

آج سے قریباً" آٹھ ماہ قبل لاہور میں سکینہ خاتون کی رشتے کی بہن فردوس کے بیٹے کا ولیمہ تھا۔ عبدالغنی صاحب کے کہنے پر وہ سکینہ خاتون، سونیا اور کنزی کے ہمراہ لاہور گیا تھا۔ ان ہی دنوں راحیلہ پھپھو بھی بمعہ فیملی پاکستان آئی ہوئی تھیں۔ مگر فی الحال ان سے ملنے نہیں آئی تھیں۔ وہ لاہور میں ہی اپنے سسرال میں رہائش پذیر تھیں۔ وہ چاروں سویرے تڑکے لاہور کے لیے نکلے تھے۔ فنکشن دن کے گیارہ بجے کا تھا۔ ہال میں پہنچنے پر وہ ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا تھا۔ سونی اور کنزی، نزہت خالہ سے جو بختیار بیگم اور فرحت بہار کی

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

گی بہن تھیں مل کر وہیں ایک طرف ٹک گئیں۔
سکینہ خاتون وہیں سامنے والی نشست پر براجمان اپنے رشتے کی بہن کلثوم اور حمیدہ سے پرجوشی سے مل رہی تھیں۔ سونیا نے ایک اچٹتی سی نگاہ ہال پر ڈالی جو برقی قمقموں سے جگمگا رہا تھا۔ بے ہودہ قسم کا میوزک کان کے پردے پھاڑنے کے لیے کافی تھا۔ ہال میں داخل ہوتے ہی آنکھیں چندھیا سی جاتی تھیں۔ مکس گیدرنگ کے فنکشن میں تمام لڑکیاں خوب لیپا پوتی کیے خوب ٹھٹھے لگا رہی تھیں۔

"کنزیٰ! سفر کی دھول نے ہمیں تو بھوتیاں بنا ڈالا ہوگا۔" کنزیٰ بوجھل دل کے ساتھ اس نامانوس سے ماحول میں ہونق بنی بیٹھی وہاں کی چکاچوند سرگرمیاں دیکھ رہی تھی۔

"اور نہیں تو کیا؟ اس سے بہتر ہے کہ منہ دھو آئیں۔ مٹی کی جو دس دس انچ تہ جمی ہے وہ تو کم از کم صاف ہوتا۔"

سکینہ خاتون نے متلاشی نظروں سے ارد گرد دیکھا۔ شاید وہ ان دونوں کو ہی تلاش رہی تھیں۔ اچانک ان پر نظر پڑتے ہی ہاتھ کے اشارے سے اسے بلایا۔

"اماں کو اب کیا ضرورت آپڑی ہے؟" سر پر ٹکا دوپٹا سلیقے سے جماتی وہ طوعاً و کرہاً اٹھی۔ مرے مرے قدموں سے ان کی طرف چل دی۔ کنزیٰ وہیں بیٹھی رہی تھی۔

"یہ میری بڑی بیٹی سونیا ہے۔" انہوں نے بڑی گرم جوشی سے سونیا کا ہاتھ دبوچتے اسے متعارف کرایا تھا۔ سونیا نے ہولے سے سلام کیا تو وہ دونوں سلام کا جواب دے کر آنکھوں آنکھوں میں ایک دوسرے کو اشارے کرکے مسکرائیں۔

"بیٹا! یہاں تو سب اپنے ہیں۔ آپ نے یہاں کیوں دوپٹا لے رکھا ہے؟" وہ خالہ حمیدہ تھیں۔ اماں کا ہاتھ اس کے دوپٹے کی جانب بڑھا تو وہ بدک کر پیچھے سرکی۔ انہوں نے کھسیا کر ان دونوں کی جانب دیکھا۔

"وہ بس حمیدہ! دراصل گھر کی سب بچیاں ہی باقاعدگی سے سر ڈھانپتی ہیں۔ عبدالغنی صاحب کو نہیں پسند یوں بچیوں کا ننگے سر پھرنا۔ بس عادت سی بن گئی ہے اب ان کی۔"

توجیہہ پیش کرتے اماں نے اس کے سر پر لگے دوپٹے اور اسے کڑے تیوروں سے گھورا تو اس نے وہاں سے کھسکنے میں ہی عافیت جانی۔

"خالہ حمیدہ شاہ اپنے بیٹے کے لیے لڑکی کی تلاش پاکستان آئی ہوئی ہیں۔ یہ تمام مائیں اور ان کی بیٹیاں شہد کی مکھیوں کی طرح ان کے گرد بھنبھنا رہی ہیں اور جن میں اماں سرفہرست ہیں۔" سونیا نے تپتے ہوئے سکینہ خاتون کو نظر انداز کیا جو خالہ حمیدہ کے ہمراہ دور سے اسے اپنی جانب بلا رہی تھیں۔ کنزیٰ نے بمشکل اپنی ہنسی ضبط کی۔

سامنے ٹیبل پر دھرا گلاس اٹھا کر اس میں پانی بھرتے ہوئے جوں ہی اس نے منہ سے لگایا تھا کہ ایک شائستہ سی آواز کانوں سے ٹکرائی۔

"تم سکینہ کی بیٹی ہو نا؟" اسے یک دم اچھو آگیا۔ تو وہ بری طرح کھانسنے لگی۔

ان خاتون نے پانی کا گلاس اس کی طرف بڑھایا تو اس نے دوپٹے کے پلو سے آنکھوں میں آیا پانی صاف کرتے ہوئے ان کی جانب ممنونیت سے دیکھتے گلاس تھام لیا۔ اس پورے ہال میں شاید وہ واحد خاتون تھیں جنہوں نے بہت سلیقے سے اپنی چادر ایسے اوڑھ رکھی تھی کہ ان کے بال اور گردن مکمل طور پر ڈھانپے گئے تھے۔ ان دونوں کو پہلی نظر میں ہی وہ خاتون بے حد نفیس سی لگیں۔

"میں تمہاری دور پرے کی تائی ہوں۔ محمود تمہارے ابا کے ممیرے بھائی اسلم کی بیوی۔" ان کا لہجہ بے حد شائستہ تھا۔ دونوں نے ادب سے سلام کیا۔

"تم دونوں یہاں اکیلی کیوں بیٹھی ہو؟ سب کے درمیان چلو نا۔"

"وہ۔۔۔ تائی۔۔۔ ہم یہاں ایزی ہیں۔" زبان کی لکنت دور کرتے ہوئے کنزیٰ نے بڑے رسان سے بات مکمل کی تو انہوں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"ہاں صحیح کہہ رہی ہو۔ یہ فردوس آپا نے تو قطعاً

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

تقریب رکھ کر ہمارے جیسوں کو مشکل میں ڈال دیا ہے۔" انہوں نے قدرے ناگواری سے کہتے ہال کی طرف دیکھا جو ہال کم میرج بیورو کا آفس زیادہ لگ رہا تھا۔ تمام مائیں اپنی اپنی سنوری بیٹیوں کو بیٹوں کی ماؤں کے سامنے بڑھ چڑھ کر پیش کر رہی تھیں۔

"لو ادھر دیکھو چاچا دلاور کی نور چشمی کو آج تو وہ رنگ روپ ہے جناب کا کہ اس کے آگے باقی لڑکیوں کا رنگ پھیکا پڑ گیا ہے۔" سونیا کی نظروں کے تعاقب میں اس نے بھی دیکھا تو مارے حیرت کے منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ گہرا سرخ رنگ کا کھلے گلے اور بغیر آستینوں کا ٹخنوں تک آتا فراک جس کے اوپر بھاری کام سے مزین دوپٹا اوڑھے' بال کھلے چھوڑے عجب ادا سے اٹھلا کر چلتی ہال میں تمام خواتین سے مل رہی تھی۔

وہ دلہن کی بہن تھی اور اس حوالے سے اس کی چھب ہی نرالی تھی۔ ہال میں موجود تمام خواتین و حضرات اس کے ہال میں آنے کے بعد اس سے نظریں نہ ہٹا سکے۔

"ہائے میرے بھائی کا تو ایمان ہی جاتا رہے گا۔ کیسے کیسے شاہکار دیکھ رہا ہے بیٹھا۔" کنزیٰ نے ہال میں نظر دوڑاتے شمعون کی جانب دیکھا جو لاپروا سا بیٹھا موبائل پر لگا ہوا تھا۔

کھانا لگا تو سب حسب معمول کھانے پر ایسے ٹوٹے جیسے ہفتے بھر کی بھوک جمع ہو۔ "آنٹی! آپ نے صحیح سے لیا نہیں۔ لائیں میں آپ کو لادوں۔" نازنین بڑے شیریں لہجے میں کہتی تائی محمودہ کے سر ہوئی۔

"نہیں بیٹا' میں اتنا نہیں کھاتی' ہاضمے کا مسئلہ ہے۔" انہوں نے بڑے پیار سے اس کا ہاتھ تھپکتے عذر پیش کیا۔ سکینہ خاتون بڑی حسرت بھری نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھیں جو وہیں تک گئی تھیں۔

"تکلف مت کیجئے گا بالکل بھی۔" کولڈ ڈرنک کا گھونٹ لیتی وہ ٹانگ پر ٹانگ رکھے بڑی ادا سے بال جھٹک کر بولی۔ سکینہ خاتون نے اشاروں کنایوں میں سونیا کو تائی محمودہ سے گفتگو کرنے پر اکسایا۔ مگر وہ سر جھکائے اپنے کھانے میں جتی رہی۔ سکینہ خاتون بس دانت پیس کر رہ گئیں۔

"چلیں امی جی! مجھے اسپتال پہنچنا ہے۔" ایک خوب صورت اور ہینڈسم سا لڑکا آکر تائی محمودہ سے مخاطب ہوا۔ تائی نے اس سے نازنین کے ساتھ ساتھ ان کا بھی تعارف کرایا۔

"ماشاء اللہ جواد پتر کیسا کڑیل جوان ہو گیا ہے۔" سکینہ خاتون نے آگے بڑھ کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"کیسے ہیں فواد آپ؟ اور آپ کی جاب کیسی جا رہی ہے؟" نازنین آگے کو جھک کر اس طرح بیٹھی کہ اس کے گلے کی نمائش ہے جہاں وہ دونوں اور سکینہ خاتون شرم سے لال پڑی تھیں۔ وہیں تائی بھی آب آب ہو گئی تھیں۔ جواد نے ایک دم رخ موڑ لیا تھا۔

"تو آپ سونے تیری باری کان چھوڑ کنپٹی ماری۔" سونیا نے افسوس سے سر ہلاتے محاورہ فٹ کیا تو کنزیٰ نے بری طرح اسے گھورا۔

"بھئی مطلب ہے کہ کسی کام میں ناکامی ہو رہی ہو تو آخری تدبیر کرنا۔" سونیا نے اپنے محاورے کی وضاحت کی تو کنزیٰ مسکرا دی۔ تائی محمودہ' نازنین کی اس حرکت سے خائف ہوتی فوراً" ہی فواد کے ہمراہ چل دیں تو نازنین بھی سر جھٹکتی خالہ حمیدہ کی جانب چل دی۔

☼ ☼ ☼

گھر پہنچنے پر سکینہ خاتون نے ان دونوں کے وہ لتے لیے کہ الامان۔ وہ دونوں بھی منہ سر لپیٹے پورا دن بستر توڑتی رہیں۔ سفر کی تھکان ایک طرف اور سکینہ خاتون کی زبان سے نکلنے والے تیر ایک طرف۔ آتے جاتے کچھ نہ کچھ بڑبڑاتیں اور کھا جانے والی نظروں سے ان دونوں کو یوں دیکھتیں گویا آنکھوں سے ہی اندر ثابت نگل جائیں گی۔

"ہائے لوگوں کی بچیاں کتنی ہوشیار ہوتی ہیں۔ ایک یہ ہماری اولاد' نانو ڈربے سے نکلی مرغیاں ہیں جو پہلی بار ڈربے سے چھوٹی ہیں۔ پورے ہال میں لڑکیاں

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

ایسے انگارے مار رہی تھیں کہ ان کی چمک دمک نظر کو خیرہ کیے دے رہی تھی۔ ایک یہ ہماری لڑکیاں صورت پر فیصل آباد کے گھنٹہ گھر کے گھڑیال کی مانند بارہ بجا رکھے تھے۔" جب سے وہ لوٹی تھیں اسی طرح جلی بھنی بیٹھی تھیں۔ پچھلے پورے دن سے وہ اسی قسم کی لعن طعن سن رہی تھیں۔ جب ہمت بالکل جواب دے گئی تو سونیا نے چھکوں پھکوں رونا شروع کر دیا۔ دادی نے بے اختیار اسے گلے لگا کر خوب پچکارا۔

"بس کر دے سکینہ۔ اب ایک تو تو ان بچیوں کو اس کھلے ڈلے ماحول میں لے گئی جہاں ان کا ہم مزاج کوئی نہ تھا۔ اوپر سے جب سے لوٹی ہے انھیں برا بھلا کہے جا رہی ہے۔ بھلا ضرورت ہی کیا تھی اس قسم کی شادی میں جانے کی۔" دادی کے ٹوکنے پر سکینہ خاتون کو تو گویا پتنگے ہی لگ گئے۔

آج کل کی لڑکیوں کی طرح بنا سنورنا انھیں پسند نہیں، محفلوں میں جانا انھیں پسند نہیں۔ کون بیاہے گا اس باوا آدم کے زمانے کی بڈھی روح کو؟ ان کے لہجے میں اندیشہ در آیا۔ مستقبل کی فکر کا سایہ چہرے پر لہرا رہا تھا۔

دادی نے پاس بیٹھی سونیا کے سر پر دست شفقت پھیرتے ہوئے ٹھنڈی آہ بھری۔ "اللہ مالک ہے ہماری بچیوں کا۔"

"میں کہہ کہہ کر تھک گئی کہ اٹھو لڑکیو!" آگے آگے ہو مگر مجال ہے جو ٹس سے مس ہوئی ہوں۔ محمود بھابھی ساتھ ہی بیٹھی تھیں مگر مجال ہے جو منہ سے لفظ بھی پھوٹا ہو۔ بس دوپٹا سر پر اوڑھے آنکھیں موندے گھنگھنیاں منہ میں ڈالے بیٹھی رہیں۔"

لال بھبھوکا ہوتی سکینہ خاتون نے الماری کے پٹ بند کرتے ہوئے سامنے سے آتی عطیہ کے بلاوجہ دھموکے جڑ دیے تو وہ بلبلا اٹھی۔

"اماں! میں نے کیا کیا ہے؟"

"خدا کا خوف کر سکینہ۔" دادی نے عطیہ کو خود سے لگا کر بھینچ لیا۔ اس سے زیادہ وہ کر بھی کیا سکتی تھیں کہ اب ان بوڑھی ہڈیوں میں سوائے کسی کو حوصلہ و تشفی دینے کے اور دم خم نہ تھا۔

"بس رہنے دیں اماں! سچ کہا ہے کسی نے جو پہلے مارے وہ میر۔ آہ... اب تو وہ پانی ملتان بہہ گیا۔" سینے پر دو ہتڑ رسید کرتے خشمگیں نگاہوں سے سونیا کی جانب دیکھا جو دادی سے لگی بیٹھی تھی۔

"یہ کس پانی کی بات ہو رہی ہے۔ ملتان میں سیلاب آنے والا ہے کیا؟" ماریہ جو ابھی کمرے میں داخل ہوئی تھی موقع کی نزاکت کو نہ سمجھتے ہوئے معصومیت سے پوچھ بیٹھی۔ سکینہ نے گھور کر ماریہ کو دیکھا تو وہ دانتوں تلے زبان دبا کر بے چارگی سے بولی۔

"وہ تائی! میرے امتحان تھے نا تو اتنے عرصے میں ٹی وی نہیں دیکھا۔ اس لیے اندازہ نہیں ہے کہ ملتان میں سیلاب آیا ہوا ہے۔" ماریہ کی اس حد درجہ سادگی پر وہ دونوں سر تھام کر بیٹھ گئیں کہ اب اماں کے قہر سے اسے کوئی نہیں بچا سکتا تھا۔

"چل دفع ہو ناس پیٹی کہیں کی۔" اسے پرے دھکیلتی سکینہ خاتون نے باہر کی راہ لی اور ماریہ حیران پریشان سی کھڑی رہ گئی۔

"تائی اماں کو کیا ہوا ہے دادی؟" ان دونوں کے مرجھائے چہرے دیکھ کر اس نے براہ راست انھیں مخاطب کرنا مناسب نہ سمجھا تو دادی سے پوچھ بیٹھی۔ "کچھ نہیں دماغ چل گیا ہے۔ تم لوگ دل پر مت لیا کرو اس کی باتوں کو۔ زبان کی تھوڑی تیز ہے۔ مگر دل کی بہت اچھی ہے۔"

دادی نے بڑے سبھاؤ سے برابر بیٹھی بچیوں کی دل جوئی کی۔ وہ دونوں خود بھی ماں کی فطرت سے خوب واقف تھیں۔ اس لیے سب بھول بھال باتوں میں لگ گئیں۔

"سونی! تیری پھپھو شادی پر نہیں آئیں؟" دادی کو اچانک یاد آیا۔

"نہیں راحیلہ پھپھو کی فیملی میں سے کسی نے شرکت نہیں کی۔"

"ہفتے سے اوپر ہو گیا ہے اسے پاکستان آئے مگر توفیق نہ ہوئی کہ بوڑھی ماں سے ملنے ہی آجائے دلیں

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

میں ہو کر وہ گھڑی ماں سے ملنے نہیں آسکتی کیا؟" دادی آبدیدہ سی ہو گئیں۔

راحیلہ پھپھو کی یہ عادت ان سب کو بھی کھلتی تھی کہ مہینوں بعد کبھی فون کرتیں۔ اب تو وہ نہ جانے کتنے سالوں بعد پاکستان لوٹی تھیں۔ مگر ہفتہ ہونے کو آیا تب بھی ملنے نہ آئیں۔ لاہور اتنی بھی دور نہ تھا۔

سونیا کو جھریوں بھرے کپکپاتے وجود پر بے طرح ترس اور پیار آیا تو اس نے بے اختیار دادی کے جھریوں بھرے ہاتھ کو ہونٹوں سے لگا لیا۔

☼ ☼ ☼

شام کا وقت تھا اور دادی عصر کی نماز کے بعد اپنے کمرے میں تسبیح پڑھ رہی تھیں کہ دروازے سے سونیا نے اندر جھانکا۔

"دادی! بھلا بوجھیں تو کون آیا ہے؟" وہ چونکیں اور جوں ہی بے ساختہ لبوں سے بیٹی کا نام پھسلا تو دروازے کی چوکھٹ پر سونیا سے پیچھے ہی راحیلہ انہیں کھڑی نظر آئیں۔

"میری بچی۔" اپنی چادر پرے کھسکاتے انہوں نے بے ساختہ بانہیں پھیلا دیں۔ راحیلہ بھی بے اختیار سی ماں کے گلے لگ گئیں۔

پورے سات برس بعد راحیلہ پاکستان لوٹی تھیں اور ان سات برسوں میں اماں کی جان کیسے سولی پر لٹکی رہی تھی۔ یہ وہ بہت اچھے سے جانتی تھیں۔

نہ جانے کتنی دیر دونوں ماں بیٹی شکوے شکایات کرتی رہیں۔ آنسو دل کے غبار دھوتے چلے گئے۔ سکینہ خاتون نے کچن سونیا اور صفیہ کے حوالے کر دیا۔ بختیار بیگم، فرحت بہار اور وہ اماں کے کمرے میں ہی محفل جمائے بیٹھی تھیں۔ راحیلہ پھپھو ڈرائیور کے ہمراہ اکیلی ہی لاہور سے ملنے چلی آئی تھیں۔ ان کے سسرال میں شادیوں اور دعوتوں کا سلسلہ چل رہا تھا۔ اس لیے شوہر اور بچے ہمراہ نہ آسکے۔

"تائی اماں نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ رات کے کھانے کا اہتمام بھی کرنا ہے کہ نہیں؟" صفیہ نے چائے پیالیوں میں انڈیلتے ہوئے سونیا کو مخاطب کیا۔

"فی الحال تو چائے کا انتظام ہی کرتے ہیں۔ رات کے کھانے کا اہتمام کرنا ہوا تو اماں بتا جائیں گی۔" سونیا نے سموسے تل کر پلیٹ میں نکالے۔ یہ بھی غنیمت تھا کہ فریزر میں سموسے اور شامی کباب پڑے تھے۔ پرانی برتنوں کی الماری میں سے کسی پرانے ٹین کی کنستر میں سے بسکٹ اور نمکو کے پیکٹ بھی برآمد ہو گئے تھے۔ جو فرحت بہار ایسے کسی ہنگامی حالات سے نپٹنے کے لیے ہی چھپا کر رکھتی تھیں۔ تمام اشیا قرینے سے پلیٹوں میں سجائے ٹرے میں رکھ کر سونیا دادی کے کمرے میں اندر داخل ہوئی تو دادی کے چہرے سے نو روشنی سی پھوٹ رہی تھی۔ چائے کی ٹرے تپائی پر رکھ کر اس نے راحیلہ پھپھو کو سلام کیا۔

"ماشاءاللہ سے سونیا نے بہت روپ نکالا ہے۔ اللہ نظر بد سے بچائے، بہت پیاری ہو گئی ہے یہ بھابھی بیگم۔" راحیلہ پھپھو کی تعریف پر جھینپتے ہوئے وہ وہیں دادی کے پاس بیٹھ گئی جواب اس کی تعریفیں کر رہی تھیں اور آج اس پر اپنی وہ خصوصیات بھی عیاں ہو رہی تھیں جو سرے سے اس میں موجود ہی نہیں تھیں۔ بے حد اصرار کے باوجود بھی راحیلہ پھپھو رات کے کھانے پر نہ رکیں اور جلد دوبارہ آنے کا کہہ کر واپس چلی گئی تھیں۔

کام نپٹا کر وہ سب کی سب کچے صحن میں چلی آئی تھیں۔ جہاں بہار کی آمد آمد تھی۔ ابھی پچھلے سال ہی سکینہ خاتون نے ان سب کی فرمائش پر بابر اور شمعون سے کہہ کر کچے صحن کے ایک حصے میں گھاس لگوائی تھی۔

"کل سے صحن میں چاول آئے پڑے ہیں اور اماں نے کہا تھا کہ آج سارے چاول صاف کرنا ہے۔ خالص باسمتی چاول ہیں جو انکل زبیر نے بھجوائے ہیں۔" انکل زبیر دادی کے رشتے کے بھتیجے تھے جو سرگودھا سٹی میں رہتے تھے اور کبھی انہیں اپنے چاول کے کھیتوں کی پیداوار انہیں بھجوایا کرتے تو کبھی اپنے مالٹوں کے باغ کے تازہ پھل۔ ان سب میں سے آج

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

تک کوئی بھی انکل زبیر کے گھر نہ گئی تھی۔ جبکہ انکل زبیر بمعہ فیملی سال میں ایک آدھ چکر لگا جاتے تھے۔ جن کے دو بیٹے عاطف' آصف اور ایک بیٹی عاصمہ تھی۔ جس سے ان کی کافی حد تک دوستی تھی۔ ابھی بھی وہ چاول کے ساتھ آئے مالٹوں میں سے تازہ مالٹے کھا کر چھلکے وہیں کیاریوں میں پھینک رہی تھیں۔

"ہاں بس یہ انٹرویو پڑھ لیں' پھر دوپہر کے کھانے کے بعد کام نپٹا لیں گے۔" صفیہ نے جوابا" آواز بلند انٹرویو پڑھ رہی تھی۔ مالٹے کی دو قاشیں بیک وقت منہ میں ڈالتے ہوئے کہا۔

"یہ کام رات سے پہلے ختم کرنا ہے۔ آج میں نے شمعون کو دھمکا کر بھیجا ہے کہ واپسی پر وہ رسالے لے کر آئے گا۔ ورنہ رات میں مونگ پھلی اور قہوہ کی امید نہ رکھے۔" عطیہ نے نرم گھاس پر پیر رگڑتے جماہی روکی۔

"دھمکانے کی کیا ضرورت تھی بے چارے کو' تم اسے بس کہہ دیتیں تو بھی وہ لے آتا۔ تمہارے کام تو ویسے بھی بھاگ بھاگ کر کرتا ہے۔" کنزیٰ نے مسکراہٹ دباتے ہوئے ثوبیہ کو کہنی ماری۔ گویا اب ان کی چھیڑ خوانی شروع تھی۔

"کتنی پروا ہے نا اپنے بھائی کی۔" عطیہ نے کھا جانے والی نظروں سے اسے گھورا۔

"کیوں نہ ہو ایک ہی تو بھائی ہے میرا۔" کنزیٰ نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

"ویسے پوری خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ آپ میں ایک چڑیل نند بننے کی۔" سونیا ہنس دی تو عطیہ نے بہن کو گھورا۔

وہ سب شمعون کی عطیہ کے لیے پسندیدگی سے واقف تھیں۔ اس لیے سب ہی مل کر اسے ستانے کو تیار ہو جاتیں۔ کہیں نہ کہیں انہیں اس بات کا بھی احساس تھا کہ یہ پسندیدگی یک طرفہ نہ تھی۔ مگر عطیہ اتنی پکی تھی کہ ان سب کے بہت بار کریدنے کے باوجود بھی اس نے کبھی شمعون کے لیے اپنی پسندیدگی کا اظہار تو در کنار کبھی اشارتا" بھی کچھ ایسا نہ کیا کہ ان سب کو کوئی سرا ہاتھ آتا۔ مگر وہ سب بھی اپنے نام کی ایک تھیں۔ مجال ہے جو چھیڑنے سے باز آتیں۔ بقول کنول کے رائی ہو تو ہی پہاڑ بنتا ہے۔ جب بھی عطیہ شمعون کا کوئی کام کرتی تو وہ سب کورس میں اپنے اپنے گلے ضرور صاف کرتیں یا کبھی عطیہ بختیار بیگم کے کسی کام میں ہاتھ بٹاتی تو وہ سب مل کر اسے ساس کی خدمت کے طعنے دیتیں بسا اوقات کنزیٰ ہی اپنے نند ہونے کا فخر جتاتی۔ ایسے تمام مواقع پر بھی عطیہ محض انہیں گھور کر رہ جاتی اور کبھی نظر انداز کرکے ڈھیٹ بنی ہنستی رہتی۔ مگر کبھی اپنے کسی عمل سے حتی کہ اپنے تاثرات سے بھی پسندیدگی کا اظہار نہ کیا تھا۔

"تم میری بہن ہو یا اس کی؟ مجھے نہیں معلوم تھا کہ میں آستین میں سانپ پال رہی ہوں۔" ابھی وہ سونیا کو کھری کھری سنانے کا ارادہ رکھتی ہی تھی کہ ان سب کے فلک شگاف قہقہوں نے اسے چپ سادھ لینے پر مجبور کر دیا۔ یہ بھی شکر تھا کہ وہ اس قسم کی باتیں براہ راست شمعون کے سامنے "اس کی موجودگی میں نہ کرتی تھیں۔

"ویسے سنا ہے کہ پھپھو راحیلہ "کاشف بھائی کے لیے رشتہ ڈھونڈ رہی ہیں اور اشارتا" دادی سے اس سلسلے میں بات بھی کر چکی ہیں۔ کاشف بھائی کا قرعہ سونیا عبدالغنی کے نام نکلا ہے۔" عطیہ نے ابرو اچکاتے ہوئے نئی معلومات بہم پہنچائیں۔ سب کو ہی اس خبر پر گویا کرنٹ لگا تھا۔ سونیا کی باہر نکلتی ہنسی یکدم اندر ہو گئی تھی۔

"ہائیں! یہ کس نے کہہ دیا تم سے؟" کنول اور صفیہ کے تو مارے تجسس کے منہ کھلے رہ گئے۔

"بس جی کبھی غرور نہیں کیا۔ ہم تو اڑتی چڑیا کے پر گن لیتے ہیں۔" اس نے فرضی کالر جھاڑے۔

"ویسے سنا ہے کاشف بھائی بڑے ڈیشنگ ہیں اور اب تو وہاں اپنا اسٹور چلاتے ہیں۔" عطیہ کی اس قدر معلومات پر وہ سب کی سب حیران تھیں کہ انہیں تو اس معاملے کی بھنک بھی نہ پڑ سکی اور وہ تھی جو پوری

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

بات کی تہہ تک بھی جاچکی تھی۔ یوں ہی تو وہ سب اسے بابی بی کا نام دیا کرتی تھیں۔

"دیکھو کس قدر کمینی ہے یہ لڑکی۔ رات سے اسے سارے معاملے کا پتا ہے مجال ہے جو ہمیں کانوں کان خبر بھی ہونے دی ہو۔ گھنی میسنی کہیں کی۔" سونیا نے دانت پیستے دو چٹکیاں بہن کے بازو میں کاٹیں تو سب کا ہنس ہنس کر برا حال ہو گیا۔

☼ ☼ ☼

پھر راحیلہ پھپھو تو اپنے بیٹے کا رشتہ نہ لائیں۔ البتہ محمودہ تائی کا فون عبدالغنی کے پاس ضرور آیا تھا۔ یہ مطلع کرنے کو کہ وہ اگلے ہفتے کسی بھی روز اپنی بیٹی اور شوہر کے ہمراہ کنزیٰ کو دیکھنے آرہی ہیں۔ سادہ اور خاموش طبع سی کنزیٰ تائی محمودہ کو بہت بھائی تھی اور وہ فون پر ہی اس کی بہت تعریفیں کرتی رہیں۔ آپس میں بے شک وہ ساتوں کتنی ہی شوخ اور شرارتی تھیں۔ مگر درحقیقت ان کی پرورش ان خطوط پر کی گئی تھی کہ ان ساتوں میں ہی مطلب پرستی اور چالاکی نہ تھی۔

دو دن بعد محمودہ تائی نے آنا تھا۔ بختیار بیگم نے ایک روز پہلے ہی کنزیٰ کو کالج جانے سے منع کیا تھا۔ مگر ان دنوں اس کے انتہائی اہم ٹیسٹ چل رہے تھے۔ لہٰذا جانا بھی ضروری تھا۔ یوں بھی محمودہ تائی نے شام تک آنا تھا۔ وہ اپنے بیٹے کو بھی ساتھ میں لا رہی تھیں۔ تاکہ لڑکا لڑکی ایک دوسرے کو دیکھ لیں اور گھر والے بھی لڑکے سے مل لیں۔ اسی مقصد کے لیے انہوں نے ایک روز قبل ہی عبدالغنی صاحب سے فون کرکے اجازت طلب کی تھی۔ عبدالغنی صاحب پس و پیش کا شکار تھے کہ کیا جواب دیں۔ مگر دادی نے از خود اجازت دے دی کہ لڑکا لڑکی ایک دوسرے کو دیکھ لیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اب عبدالغنی کے پاس انکار کی کوئی گنجائش نہ بچی تھی۔

صفیہ اور سونیا بھی اس روز اسکول گئی تھیں۔ البتہ ثمینہ اور کنول نے اس روز سلائی سینٹر سے چھٹی کی کہ گھر میں بہت سے کام تھے۔ قوی امید تھی کہ وہ لوگ رات میں وہیں ٹھہریں گے اس لیے سکینہ خاتون نے بڑا کمرہ اور لڑکوں کا کمرہ مہمانوں کے لیے صاف کروا دیا تھا۔ شام کی چائے کے ساتھ رات کے کھانے کا انتظام بھی ضروری تھا۔ ٹیسٹ دینے کے بعد کنزیٰ نے بارہ بجے سے پہلے پہلے گھر ہونا تھا۔ لہٰذا اسے جانے کی اجازت مل گئی۔

سونیا کلاس لے کر واپس اسٹاف روم میں آئی تھی، دن کے پونے بارہ بج رہے تھے۔ ابھی وہ اسٹاف روم میں آکر بیٹھی ہی تھی اور چائے پینے کے لیے تھرماس سے کپ میں گرم پانی انڈیلا کہ اس کے بیگ میں رکھا موبائل بج اٹھا۔ اس نے بیگ کھول کر موبائل نکالا۔ کال اٹینڈ کرکے اس نے خاموشی سے کان سے موبائل لگا لیا۔

"ہیلو۔ سونی۔ سونی میں۔۔۔ میں کنزیٰ ہوں۔" دوسری طرف گھبرائی اور بھیگی آواز جس کی تھی اسے پہچاننے میں اسے چند سیکنڈ بھی نہ لگے تھے۔

"کنزیٰ۔" اس نے سامنے دیوار گیر گھڑی پر نگاہ ڈالی۔ دن کے بارہ بجنے میں دس منٹ باقی تھے۔ اس وقت تو کنزیٰ کو گھر پر ہونا چاہیے تھا۔ جبکہ وہ تو کسی لوکل نمبر سے فون کر رہی تھی جو شاید کسی دکان یا پی سی او کا تھا اور وہ رو کیوں رہی تھی؟ خدا خیر کرے۔ دہلتے دل اور ہزار وسوسوں کے ساتھ اس نے خدا سے دعا کی تھی۔

"کنزیٰ کیا ہوا ہے تم رو کیوں رہی ہو؟ اور یہ نمبر۔ تم کہاں ہو؟ سب ٹھیک ہے نا؟" پریشانی اور گھبراہٹ میں وہ یکے بعد دیگرے سوالات کرتی چلی گئی۔ دوسری طرف کنزیٰ جو نہ جانے کب سے ضبط کیے کھڑی تھی۔ یک دم اس کا صبر جواب دے گیا اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"کنزیٰ کیا ہوا ہے؟ بتاؤ نا۔" اب کی بار اسے سخت تشویش ہوئی تھی۔ کنزیٰ کا یوں رونا اسے بری طرح پریشان کیے دے رہا تھا۔

"خدا کے لیے کنزیٰ کچھ بولو میرا دل بیٹھا جا رہا ہے۔" اس نے خود کو سنبھال کر قدرے نرم مگر ٹھوس

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

لہجے میں کہا۔

"سونی! میں یہاں اڈے پر ہوں۔ خان کی دکان پر۔"

"خان کی دکان پر کیا کررہی ہو؟ گھر کیوں نہیں گئیں؟ تمہیں اس وقت گھر ہونا تھا۔"

"میں گھر گئی تھی مگر مجھے گھر نہیں ملا۔" اپنی بات کے اختتام پر وہ پھر سے رودی۔

"کیا مطلب ہے تمہیں راستہ نہیں معلوم؟" سونیا کی حیرت اور پریشانی میں اضافہ ہوا۔ کنزی ہمیشہ عطیہ کے ساتھ ہی گھر واپس آتی تھی۔ شاید آج اکیلے لوٹنے پر وہ راستہ بھول گئی تھی۔

"مجھے راستہ معلوم ہے۔ میں گھر تک گئی تھی' اپنی گلی میں پہنچی تھی مگر مجھے گھر نہیں ملا۔" وہ اب کی بار ہچکیاں لے رہی تھی اور اس کی بات سونیا کی سمجھ سے باہر تھی۔ "کنزی کیا بول رہی ہو تم؟"

"میں سچ کہہ رہی ہوں سونی! وہاں گھر نہیں ہے۔ وہاں ہمارا گھر نہیں ہے۔ اردگرد سب کے گھر تھے مگر ہمارا گھر نہیں تھا۔" سونیا کی سمجھ میں واقعتاً" کنزی کی بات نہیں آرہی تھی۔ بھلا کیسے ہوسکتا تھا کہ اردگرد سب گھر موجود تھے مگر ان کا گھر نہیں تھا۔ وہ گھر جس سے صبح ہی وہ سب آئی تھیں۔

"اچھا تم وہیں خان کی دکان پر بیٹھو میں شمعون سے کہتی ہوں وہ تمہیں لے جائے گا۔ ٹھیک ہے؟ وہاں سے ہلنا مت۔ ابھی شمعون پہنچ جائے گا۔" اس کو تسلی اور ہدایت دے کر سونیا نے عجلت میں شمعون کو فون کرکے کسی حد تک صورت حال سے آگاہ کیا۔ اس کے لیے بھی صورت حال اتنی ہی غیر یقینی تھی جتنی سونیا کے لیے مگر وہ فورا" سے پیشتر اڈے کی جانب روانہ ہوگیا۔ کچھ نا سمجھی کی کیفیت میں گھرا خان اسٹیشنرز والے کی دکان پر پہنچا تھا۔ جس سے اس کی پرانی واقفیت تھی۔ دکان پر اسے دور سے ہی ڈری سہمی کنزی نظر آگئی جو دور سے اسے آتا دیکھ کر بھاگ کر اس کی جانب لپکی اور بے اختیاری کیفیت میں اس کے گلے لگ گئی۔

"مجھے پوری بات بتاؤ کہ کیا ہوا ہے؟" کتنی دیر وہ اپنے سینے سے لگی روتی بلکتی کنزی کو تھپکتا اور چپ کراتا رہا۔ ہچکیوں کے دوران اس نے ساری روداد من و عن سنا ڈالی جو اس سے قبل وہ فون پر سونیا کو سنا چکی تھی۔

"یہ کیسے ممکن ہے کنی کہ ہمارا گھر وہاں نہ ہو؟"

"خدا کی قسم کھا کر کہتی ہوں' وہاں ہمارا گھر نہیں تھا۔ میرا یقین کرو' خدا کا واسطہ ہے۔ کوئی بھی میرا یقین کیوں نہیں کررہا ہے۔"

وہ پھر سے آبدیدہ ہوگئی جبکہ شمعون کی سمجھ سے بالاتر تھا یہ تمام قصہ اور ادھر گھر والے یقینا" پریشان ہوں گے کہ اب تک کنزی کیوں نہیں پہنچی۔

وہ کنزی کا بیگ آگے موٹر سائیکل پر لٹکا کر اس کی طرف مڑا اور بڑی شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے ساتھ چلنے کا اشارہ کیا۔ سارے رستے وہ اپنے پیچھے بیٹھے وجود میں لرزش اور کپکپاہٹ محسوس کرتا رہا اور دل عجیب سے دکھ سے بھرتا گیا۔ اپنے محلے کے نکڑ سے مڑتے ہی اسے سامنے سرخ اینٹوں کا بنا کھلا کشادہ گھر نظر آیا جو اسی کا تھا اور دور سے کسی حویلی کی مانند دکھتا تھا۔ موٹر سائیکل سامنے والے خورشید صاحب کے گھر کے آگے روکتا وہ پرسکون سا موٹر سائیکل سے اترا اور پیچھے کھڑی کنزی کی جانب مڑا تو لگے ہی اس کا سارا اطمینان رخصت ہوگیا۔ کنزی کے چہرے پر چھائی سراسیمگی اسے پھر سے مضطرب کرگئی۔

"کنی دیکھو' ہمارا گھر وہیں ہے جہاں پہلے تھا۔" اور شمعون کو لگا کہ کنزی کے بدن سے سارا خون نچڑ گیا ہو۔

وہ اب کسی سوال کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ مزید کوئی بھی سوال کیے بغیر خاموشی سے اس کا ہاتھ پکڑے وہ اسے اپنے ساتھ کھینچتا ہوا' موٹر سائیکل وہیں گلی کے نکڑ پر کھڑا چھوڑ کر گھر کی طرف لے آیا۔ وہ میکانکی انداز میں اس کے ساتھ کھنچتی چلی گئی۔ گویا پتھر کی مورتی ہو۔ گھر کے دروازے سے اندر داخل ہوتے ہی شمعون نے اس کا ہاتھ یکدم چھوڑ کر اس کی

طرف رخ موڑ کر دیکھا جو بے یقینی سے پلکیں جھپک رہی تھی۔ یہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا تھا۔ اندر داخل ہونے سے پہلے تو یہاں گھر نام کی کوئی چیز نہیں تھی اور دروازے سے اندر قدم رکھتے ہی سب کچھ پہلے کی طرح روشن اور عیاں تھا۔ وہی اس کا پیارا گھر جہاں وہ اپنے بہت سے پیارے رشتوں کے ہمراہ رہتی تھی۔ شمعون جانچتی نظروں سے نجانے کتنی دیر اس کی طرف یونہی دیکھتا رہا جو اب تک بے یقینی کے عالم میں گھری کھڑی تھی۔

"ارے کنزیٰ تم آگئیں؟ کہاں رہ گئی تھیں یار؟ کچھ معلوم بھی ہے کتنا وقت لگا دیا ہے تم تو کہہ کر گئی تھیں کہ..." ثوبیہ جو باورچی خانے سے نکل کر اپنے کمرے میں جا رہی تھی۔ سامنے گیٹ کے سامنے کھڑی کنزیٰ کو دیکھ کر اس کی طرف لپکی اور اپنی ہی دھن میں بولتے ہوئے جوں ہی شمعون پر نظر پڑی تو اپنی جگہ ٹھٹکی جو اپنی شہادت کی انگلی لبوں پر رکھے اس سے خاموش ہو جانے کی درخواست کر رہا تھا۔ یکدم اس کی زبان کو بریک لگ گئی اسے کسی غیر معمولی تبدیلی کا احساس ہوا۔ شمعون اس وقت کبھی گھر نہیں لوٹتا تھا اور نہ ہی کنزیٰ اس سے پہلے کبھی واپسی پر شمعون کے ساتھ آئی تھی۔ اس نے غور سے کنزیٰ کو دیکھا جو بے خودی کی کیفیت میں گھری سامنے شہتوت کے درخت کے تنے سے لگی خود کلامی کر رہی تھی۔ شاید اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی تب ہی وہ کچھ عجیب سی دکھ رہی تھی۔ اس نے گھبرا کر شمعون کی طرف دیکھا۔

"ثوبیہ! اپی کو کمرے میں لے جاؤ اور کنزیٰ! تم سو جاؤ تھک گئی ہو۔ رات میں بھی دیر تک جاگ کر پڑھتی رہی ہو۔ نیند پوری نہیں ہوئی تمہاری۔" بہت آہستگی سے اس کا ہاتھ تھام کر اس نے جھکتے ہوئے اسی طرح اٹھنے سے چھوڑ دیا جیسے تھاما تھا۔ کنزیٰ نے بغیر کسی کشمکش کے میکانکی انداز میں اسی طرح ثوبیہ کے ہمراہ قدم بڑھا دیے۔ ثوبیہ نے برآمدے سے مڑ کر ایک مرتبہ صحن کے بیچوں بیچ کھڑے شمعون کی جانب دیکھا جس کے چہرے پر تفکر اور اضطراب عود کر آئے تھے۔

✲ ✲ ✲

باقی کا پورا دن ایک ایک پل اس نے اسکول میں بے حد بے چینی سے گزارا مگر وقت تھا کہ گزر کے نہ دے رہا تھا۔ حالانکہ کچھ دیر پہلے ہی شمعون نے اسے کال کر کے بتایا تھا کہ وہ خود اڈے سے کنزیٰ کو گھر لے جا کر ثوبیہ کے حوالے کر کے آیا ہے مگر پھر بھی نجانے کیوں ایک عجیب سی بے چینی نے اسے گھیر رکھا تھا۔ چھٹی ہونے پر وہ دونوں پیدل ہی گھر کی جانب نکلی تھیں۔ پورے رستے خلاف توقع سونیا نے خود سے کوئی بات نہ کی۔ یہ صفیہ ہی تھی جو رستہ کاٹنے کے لیے اسے گاہے گاہے مخاطب کرتی مگر جواباً سونیا کی "ہوں ہاں" اسے مزید بولنے سے باز رکھ دیتی۔

دونوں خاموشی سے گھر کی دہلیز پار کر کے اندر داخل ہوئیں تو گھر کی غیر معمولی خاموشی نے ان کا استقبال کیا۔ روز اسکول سے لوٹنے پر دروازے سے داخل ہوتے ہی ماریہ، بتول اور ثوبیہ کی نوک جھونک سنائی دیتی تو دن بھر کی تھکان دور ہو جاتی مگر آج تو پورے گھر پر ہو کا عالم تھا۔ صفیہ نے سونیا کے تاثرات کی جانچ کے لیے اس کے چہرے کو کن انکھیوں سے دیکھا جہاں کچھ دیر پہلے کا چھایا تکدر پھر سے عود آیا تھا۔ برآمدے میں دھری چارپائی پر اپنے پرس رکھ کر وہ وہیں بیٹھ گئیں۔

فرحت بہار جو باورچی خانے سے برآمد ہوئیں تو انہیں یوں خاموشی سے برآمدے میں بیٹھا دیکھ کر گویا ہوئیں۔ "آگئیں تم دونوں؟ چلو اٹھ کر منہ ہاتھ دھو کر کپڑے تبدیل کر لو میں کھانا لگاتی ہوں۔" دونوں نے اکٹھے سر اٹھا کر ان کی جانب دیکھا۔

"اماں کنزیٰ کیسی ہے؟" صفیہ نے لب پر مچلتے سوال کو ان کے سامنے کر ہی ڈالا تو انہوں نے گہری سانس بھری۔

"بہتر ہے۔ جب سے لوٹی ہے سو رہی ہے۔ تم لوگ مت جگانا اسے۔ سونے دو، رات کی جاگ رہی

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

ہے تب ہی دماغ تھک گیا ہے۔"

وہ باورچی خانے کی طرف واپس مڑ گئیں۔ ان دونوں کی اب بھی تسلی نہ ہوئی تھی مگر دونوں مرے مرے قدموں سے اٹھ کر منہ ہاتھ دھونے چل دیں۔ کھانے کے دسترخوان پر بھی وہ سب خاموشی سے کھانا کھاتی رہیں۔ کنزیٰ کو کسی نے کھانے کے لیے بھی نہیں جگایا تھا۔ کھانا کھا کر باقی ماندہ کام نمٹا کر وہ سب وہیں برآمدے میں ہی بیٹھ گئیں۔ شام ہونے میں کچھ ہی وقت باقی تھا اور وہ لوگ بس آنے ہی والے تھے۔ عطیہ نے کنزیٰ کا جامنی رنگ کا فراک پاجامہ استری کرکے لٹکا دیا۔ جس پر سفید دھاگے کا ہلکا سا کام ہوا تھا۔ آج پہلی مرتبہ وہ خوشی کے موقع پر بھی اس قدر اداس اور خاموش تھیں۔ شام سے قبل ہی کنزیٰ جاگ گئی تو وہ سب اس کے گرد جمع ہو گئیں۔ دوپہر کی نسبت اس کی حالت اب بہتر تھی۔ وہ حسب معمول ان سے باتیں کرنے لگی تو ان کے دل کا بوجھ کچھ کسی حد تک چھٹنے لگا۔ عطیہ نے کھانا لانے کا پوچھا تو کنزیٰ نے منع کر دیا۔ سر میں درد کی وجہ سے اس نے چائے بسکٹ پر ہی اکتفا کیا۔ شام پانچ بجے کے قریب سکینہ خاتون نے کمرے میں داخل ہوتے ہی دبی آواز میں انہیں گھر کا۔

"لڑکیو! وہ لوگ آ گئے ہیں۔ تم سب باورچی خانے میں مل کر کام سمیٹو اور کسی چیز کی کمی نہ ہو اور خبردار مجھے تم لوگوں کے فالتو کے ٹھٹھے لگانے کی آوازیں نہ آئیں اور سونی! تم کنزیٰ کے پاس ہی رہو اور اسے تیار کرا دو۔" انہیں مناسب ہدایات دیتی وہ واپس بڑے کمرے میں چلی گئیں۔ کنزیٰ نے لباس تبدیل کیا تو سونی نے اسے مناسب سا تیار کر دیا۔ ہلکی سی سرخی اور کانوں میں پڑے آویزوں نے ہی اس کے روپ کو دہکا دیا۔ رہی سہی کسر سونیا کے ایک دو بار چھیڑنے پر اس کے دہکتے گالوں نے پوری کر دی تھی۔

"سونی باجی! میں لڑکا دیکھ کر آئی ہوں۔ بڑا ڈیشنگ ہے بلکہ ان کی بہن لبنیٰ بھی بڑی پیاری ہیں۔" ماریہ اندر آتے ہی لہک لہک کر بتانے لگی۔

"ہماری کنزیٰ کسی سے کم ہے کیا؟" سونیا نے پیار سے کنزیٰ کی تھوڑی کو چھوا تو وہ جھینپ گئی۔

"صحیح جوڑی لگے گی دونوں کی۔" ماریہ نے بسکٹ منہ میں ڈال کر بھرے منہ سے کہا تو کنزیٰ نے لے گھورا۔ وہ ہنستے ہوئے باہر چلی گئی۔ سکینہ خاتون نے اندر جھانکتے ہوئے سونیا کو اشارہ دیا کہ کنزیٰ کو ساتھ لیے بڑے کمرے میں آ جائے۔ کنزیٰ شرمائی لجائی دھیرے دھیرے قدم رکھتی سونیا کے پیچھے چلتی بڑے کمرے میں داخل ہوئی اور کسی کی بھی جانب دیکھے بغیر سلام کیا۔

"وعلیکم السلام۔" سب کی نظروں میں ستائش ابھری اور بھائی کے برابر بیٹھی لبنیٰ بھی متوقع بھابھی کو دیکھ کر سیدھی ہو بیٹھی۔ سکینہ خاتون نے اپنے برابر جگہ بناتے کنزیٰ کو ٹھیک اس جگہ پر بٹھایا جہاں مد مقابل دانیال بیٹھا تھا۔ وہ سر جھکائے نظریں ہاتھوں پر ٹکائے بیٹھی رہی۔ بڑوں کے درمیان ہلکی پھلکی گفتگو چل رہی تھی جب سونیا اس کے برابر آ کر بیٹھی اور سب سے نظر بچا کر اس کے کان کے قریب سرگوشی کی۔

"اوپر نظر اٹھا کر ایک بار دیکھ تو لو سامنے ہی ہمارے جیجا جی بیٹھے ہیں۔" بمشکل اپنی مسکراہٹ دباتے کنزیٰ نے چور نگاہوں سے سامنے بیٹھے دانیال کی جانب دیکھا تو اس کی نظریں جم سی گئیں۔ اس نے حیران نگاہوں سے لبنیٰ، تائی محمودہ اور تایا اسلم کی جانب دیکھا اسے اپنی قسمت پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ سامنے بیٹھا سب سے ہنس ہنس کر باتیں کرتا شخص اس کی زندگی کے ہم سفر کے طور پر چنا گیا ہے۔ آنکھوں میں حیرت سموئے اس نے سونیا کی طرف دیکھا۔ کیا وہ واقعی سنجیدہ تھی؟ کیا سامنے بیٹھے شخص کو اللہ تعالیٰ نے اس کا نصیب چنا تھا؟ سونیا نے مسکرا کر اس کی آنکھوں میں تحیر اور بے یقینی کو جانچا تو اس کی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی۔

"کیا ہوا؟ کیا یقین نہیں آ رہا خود کی قسمت پر؟"

اسے واقعی یقین نہیں آ رہا تھا اپنی قسمت پر کہ

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

قدرت نے اس کے ساتھ یہ کیسا عجیب مذاق کیا ہے۔ اسے واقعی یقین نہیں آ رہا تھا کہ سامنے بیٹھا چھوٹے قد کا، کالی رنگت اور بھدے نقوش کا گنجا شخص اس کے حصے میں آیا ہے۔ اسے واقعی یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ بدصورت شخص اس کے گھر والوں کی پسند ہے۔ وہ ایک آخری نظر اس مکروہ شخص پر ڈالتے، اپنی آنکھوں میں امڈتے آنسوؤں پر بند باندھتے تیزی سے اٹھ کر باہر کی جانب چلی گئی۔ سونیا اس کے اس ردعمل پر ہکا بکا رہ گئی تھی۔ سکینہ خاتون کے ماتھے پر واضح لکیریں ابھری تھیں۔

"کنزی کی طبیعت کچھ ناساز ہے۔ آج کالج میں بڑا اہم ٹیسٹ تھا تو رات بھر پڑھنے کی وجہ سے طبیعت خراب ہو گئی ہے۔" فرحت بہار نے سونیا کو اٹھ کر اس کے پیچھے جانے کا اشارہ کیا۔ محمودہ تائی نے مسکرا کر بات بدل دی۔ وہ پہلے ہی کنزی سے مل چکی تھیں اور کسی حد تک اس کی فطرت سے واقف تھیں۔ مگر برابر بیٹھی لبنیٰ کے چہرے کے تاثرات سے واضح تھا کہ اسے اپنی ہونے والی بھابی کا یوں یکدم سب کے درمیان سے اٹھ کر جانا قطعاً پسند نہیں آیا۔ سونیا خاموشی سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی آئی تھی۔ جہاں کنزی کنول اور ثوبیہ سے لگی سسک رہی تھی اور وہ دونوں حیران پریشان کھڑی اس کے رونے کا سبب دریافت کر رہی تھیں۔

"کیا ہوا ہے کنزی! تم یکدم یوں سب کے درمیان سے بغیر بتائے بغیر کسی وجہ کے کیوں اٹھ کر چلی آئی ہو؟" سونیا نے اس کے شانے پر ہاتھ دھرا تو وہ بپھر گئی۔

"یہ سب ہے وہ گڈ لکنگ اور ہینڈسم؟" سونیا نے ناسمجھی کے عالم میں اس کی جانب دیکھا۔

"آہستہ بولو کنزی! وہ لوگ سن لیں گے۔" ہمنیٰ جو کچھ دیر پہلے ہی اندر داخل ہوئی تھی اس کے اونچی آواز میں بولنے پر دبی دبی آواز میں بولی۔

"تو سن لیں۔ میں تو چاہتی ہوں کہ وہ سنیں۔ ان کو نہیں پتا کہ اپنے اس بدصورت بیٹے کا رشتہ لے کر آئے ہیں۔" اس کے لفظ "بدصورت" پر وہ سب اپنی جگہ ٹھٹکی تھیں خصوصاً سونیا جو قریباً دس منٹ اندر مہمانوں کے درمیان بیٹھ کر آئی تھی اور اس نے خود اپنی آنکھوں سے اس چوبیس، پچیس سال کے خوش شکل لڑکے کو دیکھا تھا۔

"کیا ہو گیا ہے کنزی اس قدر ہینڈسم بندے کو تم بدصورت کہہ رہی ہو۔ اس قدر ناروائی کی امید نہ تھی تم سے۔" ہمنیٰ بھی حیران تھی۔

"ہاں دماغ چل گیا ہے میرا۔ ایک بات بتا دوں میں جو تم لوگ تایا جی اور اماں کو بتا دینا کہ میں مر جاؤں گی مگر کسی طور اس بدصورت شخص سے شادی نہیں کروں گی۔"

اپنا چہرہ ہاتھوں میں چھپائے وہ رونے لگی۔ اور وہ چاروں اس کے الفاظ پر گم صم اسے روتا دیکھنے لگیں۔ یکدم سونیا کو پھر سے وہ پرانی بے چینی محسوس ہونے لگی تو اس نے ان تینوں کو واپس باورچی خانے کی طرف بھیج دیا تاکہ رات کے کھانے کا انتظام کر سکیں اور وہ خود کنزی کے پاس ہی رک گئی۔ وہ کنزی سے کچھ فاصلے پر بیٹھی اسے روتا ہوا دیکھنے لگی۔ خود اس کا دل بھی اس قدر مضطرب تھا کہ یکدم اسے شدید گھٹن کا احساس ہونے لگا۔ اس نے موبائل نکال کر میسج ٹائپ کیا۔

"جلدی گھر پہنچو پلیز" اور شمعون کو بھیج دیا۔ تھوڑی دیر بعد ہی اس کا موبائل پھر سے بجا۔

"آ رہا ہوں۔ راستے میں ہوں۔ کیوں سب خیریت ہے؟"

اب وہ اسے کیا بتاتی۔ اس نے جواب دینے کے بجائے موبائل واپس رکھ دیا۔ کنزی بدستور سسک رہی تھی۔ اب اسے صرف اور صرف شمعون کی واپسی کا انتظار تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ رات بہت گہری اور اس سے کہیں زیادہ خاموش تھی۔ رات کے اس گہرے سناٹے میں دور کہیں کتی کے بھونکنے کی آواز ابھرتی تو یکدم اس خاموشی کا دم ٹوٹتا اور پھر سے اسی گہری، دبیز اور پراسرار خاموشی کا راج

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

ہوتا۔ وہ دونوں بھی اس وقت برآمدے سے صحن میں جاتی سیڑھیوں پر خاموش بیٹھے تھے۔

آج کمرے میں حسب معمول محفل بھی نہ جمی تھی۔ جس کی وجہ کنزیٰ کا عجیب و غریب برتاؤ تھا۔ شمعون نے لوٹنے کے بعد کنزیٰ سے خود بات کر کے اسے سمجھانے کی کوشش کی مگر کنزیٰ کچھ سننے کو تیار نہ تھی۔ اس کی ایک ہی ضد ایک ہی رٹ تھی کہ وہ کسی صورت اس شخص سے شادی نہیں کرے گی اور اگر کسی نے زبردستی کرنے کی کوشش کی تو وہ عین نکاح کے وقت سب کے سامنے انکار کر دے گی۔ شمعون اس کے منہ سے یہ سب سن کر اتنا ہی حیران ہوا تھا جتنا کہ وہ سب مگر وہ مزید بات بڑھا کر گھر ٹھہرے مہمانوں کے سامنے تماشا کھڑا نہیں کرنا چاہتا تھا اور مزید صفیہ کی عقل تھی۔ جس نے بات بختیار بیگم کے کانوں میں ڈال دی تھی۔ گویا بات گھر کے بڑوں تک پہنچ چکی تھی۔ اور اب ان سب کو یہ ڈر تھا کہ کہیں کنزیٰ گھر کے بڑوں کے سامنے بھی اسی ردعمل کا اظہار نہ کر دے۔

رات کے کھانے کے بعد برتن اور کچن سمیٹ کر وہ سب ہی بغیر کسی سے بات کیے اپنے بستروں پر لیٹ گئی تھیں۔ سب کی نگاہوں میں ایک دوسرے کے لیے تحریر تھی مگر لب نجانے کیوں خاموش تھے۔ لبنیٰ نے رات کے کھانے کے بعد کنزیٰ سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا جسے سکینہ خاتون نے بڑی خوبصورتی سے کنزیٰ کی ناسازیٔ طبیعت پر محمول کر کے ٹال دیا تھا۔ کھانے پر بھی یقیناً سب نے کنزیٰ کی غیر موجودگی کو واضح محسوس کیا تھا۔ کھانے کے بعد سب لوگ ہی اپنے کمروں میں چلے گئے تھے۔

"تمہیں کیا لگتا ہے شمعون! آج کنزیٰ کو کیا ہوا ہے؟" بالآخر خاموشی کا قفل سونیا کے بولنے سے ٹوٹا تھا۔ کمرے میں بلب جلنے کی وجہ سے صحن میں کسی حد تک روشنی تھی مگر وہ سیڑھیوں کے جس حصے پر بیٹھے تھے وہاں کافی اندھیرا تھا۔

"پتا نہیں میں کچھ نہیں کہہ سکتا مگر اس کا یہ رویہ میری سمجھ سے باہر ہے اور اس کی کوئی وجہ بھی نظر نہیں آتی۔"

"بہت عجیب سا دن تھا آج۔ میں پورا دن عجیب سی بے چینی محسوس کرتی رہی ہوں۔ گھر کا ماحول بھی تناؤ کا شکار رہا ہے۔"

"ہاں پورا دن میں بھی پریشان ہی رہا ہوں اور اب شام میں بھی جو کچھ ہوا۔" وہ لمحہ بھر کو رکا اور اس نے غور سے سونیا کے چہرے کو دیکھا۔ "سونی!" سونیا نے چونک کر اس کی جانب دیکھا۔ کچھ تھا اس کے لہجے میں جو سونیا کو چونکا گیا تھا۔

"کہیں نینی سب کچھ اس رشتے سے انکار کے لیے تو نہیں کر رہی ہے میرا مطلب ہے شاید وہ کسی اور کو پسند۔" سونیا کے چہرے کے ناگوار تاثرات دیکھ کر اس نے دانستہ بات ادھوری چھوڑ دی۔

"کیا ہو گیا ہے شمعون؟ تم اپنے الفاظ پر غور کرو کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔"

"یار! میں بدگمان نہیں ہو رہا۔ تم جانتی ہو کہ میں روایتی قسم کا بھائی نہیں ہوں جو یہ سوچوں کہ اگر میری بہن کسی دوسرے میں انٹرسٹڈ ہو تو میں غیرت کے نام پر اس کی زندگی اجیرن کر دوں گا بس اس کے اس ابنارمل روپ کی وجہ سے الجھ گیا ہوں۔"

"آج دن بھر اس نے کوئی سجدہ بھی نہیں کیا ماسوائے فجر کے حالانکہ وہ کہاں کوئی نماز چھوڑتی ہے۔"

"تم اپنے تئیں اس کو جانچنے کی کوشش کرو شاید وہ کسی بات پر ٹینس ہو۔ ہو سکتا ہے کہ وہ ابھی شادی نہ کرنا چاہتی ہو یا ہو سکتا ہے کہ وہ یہاں شادی نہ کرنا چاہتی ہو۔"

سونیا نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ شام سے ان تمام پہلوؤں پر غور کر رہی تھی جن پر شمعون اس کی توجہ مبذول کروانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"میں ایک دو دن بعد اس سے بات کرتی ہوں۔ بس تم اماں کو قابو میں رکھنا۔ تمہیں پتا ہی ہے وہ زبان کی کس قدر تیز ہیں ایک بار جو شروع ہو گئیں تو خاموش

کرانا مشکل ہو جائے گا۔"

"تائی کا پارہ چڑھا ہوا ہی ہوگا" ایک تو کنزی جس طرح سے مہمانوں کے درمیان سے اٹھ کر چلی آئی اور اوپر سے جو اس نے واویلا کیا ہے اور صفیہ کی جو موٹی عقل ہے کہ امی تک بات پہنچا آئی ہے۔ سچ ہے کہ موٹے بندے کی عقل موٹی ہی ہوتی ہے۔"

سونیا اس کی بات پر مسکرا دی۔

"اب ہنس کیوں رہی ہو۔ یہ ہنسنے کا مقام ہے کیا؟" اس نے اسے گھورا تو اس کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

"کچھ نہیں، تم بہت اچھے ہو شمعون! میری بہن بہت خوش نصیب ہے۔" اس نے دل سے یوں پہلی بار عطیہ سے منسلک کر کے اس کی کھلے دل سے تعریف کی تھی۔ عجیب سی چمک شمعون کی آنکھوں میں در آئی تھی اور وہ زیرِ لب مسکرا دیا۔

"ہاں اچھا تو میں ہوں۔ مگر لوگوں کو قدر ہی نہیں ہے کہ کس قدر عظیم گوہرِ نایاب بلکہ کوہِ نور تم لوگوں کے اس گھر میں ہے۔" اس کے اس شوخ جملے پر سونیا ہنس دی تو وہ بھی مسکرا دیا۔

☼ ☼ ☼

"مجھے قطعاً" یہ لڑکی پسند نہیں آئی ہے، نہ جانے امی کو کیا نظر آیا ہے اس میں اور سب سے بڑھ کر اس گھرانے میں؟" لبنیٰ جو کب سے کھانے کے بعد اپنے بستر پر کروٹیں بدل رہی تھی۔ تنگ آ کر اٹھ بیٹھی۔ وہ دونوں لڑکوں کے کمرے میں ٹھہرے تھے اور تائی محمودہ اور تایا اسلم بڑے کمرے میں۔

"کیوں اب کیا ہوا ہے؟" دانیال نے مسیج ٹائپ کرتے ہوئے ایک نظر بہن کی طرف دیکھا جو بیزار سی اپنے پلنگ پہ پاؤں لٹکائے بیٹھی تھی۔

"آپ نے اس کا رو ڈلی بیہویئر نہیں دیکھا کہ کیسے وہ سب کے درمیان سے اٹھ کر گئی ہے اور جب میں نے اس سے ملنے کے لیے کہا تو آنٹی سکینہ نے اس سے بھی منع کر دیا۔ مانا کہ اس کی طبیعت خراب ہے تو میں کون سا اس سے مل جوتے کا کہہ رہی تھی، محض ملنا ہی چاہتی تھی۔ میں گھر سے سوچ کر آئی تھی کہ آپ دونوں کی ملاقات کرواؤں گی اور ساں میں خود بھی اس سے الگ سے نہیں مل سکتی۔"

"بھئی۔ امی نے سوچ سمجھ کر ہی فیصلہ کیا ہو گا نا۔" اس نے بڑے لاپروا انداز میں بات اڑا دی۔

"آپ کو اس رشتے پر کوئی اعتراض نہیں ہے؟" اس نے حیرت سے آنکھیں پھاڑیں تو دانیال نے موبائل سینے پر رکھ کر اس کی جانب دیکھا۔

"کس بات پر اعتراض ہو گا مجھے بھلا؟ اچھے شریف گھرانے کے لوگ ہیں۔ ٹھیک ٹھاک بلکہ بھلی چنگی لڑکی ہے بھئی، پڑھی لکھی بھی ہے اور گھر کی حالت سے سلیقہ بھی نظر آتا ہے ان لڑکیوں میں۔" اس نے کمرے کی حالت پر نظر دوڑائی، جہاں قرینے سے رکھی ہر شے اس کی بات کا منہ بولتا ثبوت تھی۔

"بس کیا یہی سب کافی ہے؟"

"تو اور کیا چاہیے مزید؟" ہاتھوں کا تکیہ بناتے ہوئے وہ چھت کو گھورنے لگا۔

"اسٹیٹس، ماڈرن ازم، بیوٹی۔ اس سے کئی گنا خوب صورت لڑکیاں مل سکتی ہیں۔ کہیں زیادہ ویل مینرڈ اور ویل ایجوکیٹڈ۔ نہ جانے امی اتنی دور کیوں اس گھر سے رشتہ جوڑنے چلی آئی ہیں؟" کنزی کو دیکھ کر وہ جی بھر کر بدمزہ ہوئی تھی جو خالصتاً" محمودہ تائی کے حلیے اور شخصیت کی عکاسی کرتی تھی۔

"مجھے ان سب باتوں میں سے کسی میں انٹرسٹ نہیں ہے۔" وہ اسی طرح چھت کو گھورتے ہوئے بولا۔

"تو آپ کو پھر کس بات میں انٹرسٹ ہے؟" اس نے چِڑ کر پوچھا تو وہ گہرا سانس لے کر رہ گیا۔

"سادگی، مائی ڈیئر سادگی۔"

"یار رہنے دیں، قسم سے کیا چیز ہوتی ہو تم عورتیں بھی۔ ہر بات میں نقص نکالنے کے سوا کچھ آتا بھی ہے؟ اگر یہ رشتے دیکھنے اور ڈھونڈنے کا کام تم لوگوں سے لے کر مردوں کے سپرد کر دیا جائے تو دنیا کی آدھی سے کہیں زیادہ لڑکیاں وقت سے اپنے گھر کی ہو جائیں۔ کیسے تم

لوگ اتنے عیب تلاش کرلیتی ہو، کسی دوسری لڑکی یا عورت میں؟ کسی کی ناک موٹی ہے تو کسی کی ہائٹ چھوٹی۔ کوئی کالی ہے تو کوئی موٹی۔ تم لوگ گھر کی بہو نہیں ڈھونڈتیں، بلکہ ریمپ پر چلتی ماڈل ڈھونڈتی ہو۔ یہ ڈیمانڈز ہم مردوں کی نہیں ہوتیں کہ ہمارے لیے ایسی بیوی لاؤ جو بیوی کم ماڈل زیادہ لگے۔ ہمیں تو گھر کو سلیقے سے رکھنے کے لیے اچھے اخلاق اور نیک سیرت ایک لڑکی چاہیے ہوتی ہے بس۔ ہر وقت چمڑی بن کر منہ پر لیپا پوتی کرکے نظروں کو دھوکہ دیتی لڑکیاں نہیں۔"

بھائی کے خیالات اور تجزیہ سن کر اس کا حلق اندر تک کڑوا ہو گیا۔

"بندہ اس سے شادی کرے جو ساتھ چلتے بھلی بھی لگے۔" "سرتک کمبل تانے وہ بڑبڑاتی ہوئی کروٹ بدل چکی تھی۔ دانیال مسکرا کر کنزی کو سوچنے لگا۔ جس کا شرمایا لجایا سراپا، سادگی سے گندھا وجود اس کے دل کو نئے انداز سے دھڑکا گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

محمودہ بیگم جلد جواب ملنے کی امید لے کر گئی تھیں۔ مگر آنے والے دنوں میں کنزی کے رویے سے یہی نتیجہ اخذ ہو رہا تھا کہ جواب کسی صورت مثبت نہیں ہو سکتا۔ وہ اس رشتے سے صاف انکاری تھی۔ پورے ہفتے وہ بخار میں پھنکتی رہی اور اس چڑچڑے پن میں وہ چیختی چلاتی رہی کہ اسے کسی صورت یہاں شادی نہیں کرنا۔ بختیار بیگم کو تو چپ سی لگ گئی تھی۔ کنزی ہمیشہ سے ایک سعادت مند بچی کے روپ میں دادی، سکینہ خاتون اور خود ان کے بھی دل کے بے حد قریب رہی تھی۔ مگر اس کا یہ رویہ ان کے ہونٹوں پر مہر لگا گیا تھا۔ سکینہ خاتون رشتوں کے معاملے میں زبردستی کی قائل نہ تھیں۔ لہٰذا انہوں نے مناسب الفاظ میں عبدالغنی صاحب کو سمجھا کر محمودہ تائی کو انکار کہلوا دیا۔ کنزی پھر سے معمول کی زندگی کی طرف لوٹ آئی۔ وہ پھر سے پہلے والی کنزی بن گئی تھی۔ مگر بختیار بیگم پھر سے پہلے جیسی نہ ہو سکیں۔ بیٹی کے اس رویے نے انہیں اندر سے بھربھری دیوار کی مانند ڈھا دیا تھا۔

ان سب میں سے پھر کسی نے اس رشتے کی بابت کنزی سے کسی قسم کا ذکر نہ کیا۔ زندگی پھر سے معمول پر آگئی تھی۔ وہی ان کی شرارتیں، رسالوں کی دنیا، ہوا کے دوش پر ابھرتی رات کے کسی پہر میں ڈی جے حسنین کی شوخ و شنگ آواز اور ان ساتوں کی آپس کی چھیڑ خانی، سب کچھ پھر سے لوٹ آیا تھا۔ اسی دوران راحیلہ پھپھو نے فون کرکے باقاعدہ سونیا کے لیے اپنے بڑے بیٹے کاشف کا رشتہ بھیجا تھا۔ دادی اور سکینہ خاتون تو خوشی سے نہال ہی ہوئے جا رہی تھیں۔ مناسب وقت مانگنے کے بعد ہاں کردی گئی تھی۔ کچھ مصروفیات کی بنا پر باقاعدہ منگنی دو ہفتے بعد طے پائی تھی۔

☼ ☼ ☼

ان ہی دنوں ارباب ایک بھولی بسری یاد کی مانند لوٹ آیا تھا۔ پورے دو سال بعد اس گھر کے آنگن کی مٹی پر اس گھر کے سب سے بڑے بیٹے کے قدموں کے نشان پڑے تھے۔ پورے دو برس بعد سکینہ خاتون نے لاہور شہر کے ہنگاموں میں گم ہو جانے والے اپنے بڑے سپوت کا چہرہ دیکھا تھا۔ پورے دو سال بعد عبدالغنی صاحب کو اپنے بڑھاپے کا سہارا پھر سے اپنے سامنے کھڑا نظر آیا۔

سونیا اور عطیہ بھائی کے گلے لگ کر جو روئیں تو ان سب کی آنکھوں کا پانی چھلک پڑا۔ نہ جانے کیسے اس گھر کے مکینوں کی آس کے خونی رشتوں کی کشش نے اس شخص کو واپس لوٹنے پر مجبور کر دیا تھا۔ سکینہ خاتون تو گویا تہیہ کر بیٹھی تھیں کہ اب کی بار وہ اسے واپس نہیں جانے دیں گی۔ مگر ارباب نے اپنی مجبوریوں کی دہائی دی کہ شہر میں اسے ایک پرائیویٹ یونیورسٹی میں بہت اچھی نوکری مل گئی ہے۔ لہٰذا وہ مزید نہیں رک سکتا۔ تاہم اب وہ آتا جاتا رہے گا۔ دو دن بعد وہ سکینہ خاتون سے وعدہ کرکے لوٹ گیا کہ اب وہ اکثر ہی چکر

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

لگاتا رہے گا اور فوقتاً فوقتاً فون بھی کرتا رہے گا۔ ایک ماں کے لیے تو یہ آس امید بھی بہت تھی۔

"اب کی بار جب ارباب چھٹی لے کر گھر آئے گا تو میں اس کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دوں گی۔" ابھی ارباب کو گئے چند گھنٹے بھی نہ گزرے تھے کہ چاول چنتے ہوئے سکینہ خاتون نے بڑے رازدارانہ انداز میں بختیار بیگم کا ہاتھ دبایا۔ بختیار بیگم جو اپنی ہی کسی سوچ میں ڈوبی تھیں یکدم چونکیں۔

"کیا مطلب بھابھی بیگم؟ میں سمجھی نہیں۔"

"میں ارباب کا نکاح کرنے کا سوچ رہی ہوں۔ ماں کی محبت میں نہ سہی بیوی اس گھر کی بچی ہوگی تو دوڑا آئے گا نا۔"

"گھر کی بچی کون بھابھی؟"

"کنزیٰ۔ میں کنزیٰ تجھ سے ارباب کے لیے مانگتی ہوں بختیار۔ گھر کی بات ہے گھر میں ہی رہے گی۔"

"بھابھی بیگم! یوں اچانک آپ کو۔" ان کی سمجھ میں نہ آرہا تھا کہ کیا کہیں؟

"اچانک کہاں؟ ہزار بار کنزیٰ کو دیکھ کر خیال آتا تھا مگر پھر ارباب کی طرف سے تو امید ہی ختم ہو گئی تھی کہ وہ لوٹے گا بھی۔ بھی اور بابر کے لیے تو اس کی خالہ نے بہت بار اشاروں کنایوں میں ذکر کیا ہے۔ اللہ کی شاید یہی مرضی تھی تب ہی تو کیسے اچھے رشتے سے کنزیٰ نے انکار کر ڈالا۔"

بختیار بیگم تو حیرت سے منہ کھولے سکینہ خاتون کو تک رہی تھیں۔ شاید وہ ٹھیک ہی کہہ رہی تھیں۔ مگر فی الحال انہیں کنزیٰ کو کچھ وقت دینا چاہیے تھا اور اس سے بڑھ کر ارباب کو۔ معلوم نہیں اس کی مرضی کیا ہوگی؟ ممکن تھا کہ وہ کسی عہد و پیمان کے رشتے میں بندھا ہوا ہو۔

"اتنی جلدی یہ فیصلہ مت لیں۔ وقت اور حالات پر چھوڑ دیں۔" بختیار بیگم کی بات سن کر سکینہ خاتون گہری سانس بھرتے ہوئے سونیا کے رشتے کے متعلق سوچنے لگیں۔

☼ ☼ ☼

"ارباب بھائی نے کتنا پیارا کرتا گفٹ کیا ہے۔ سچ کہتے ہیں لاہور میں کپڑے کلاس کے ہوتے ہیں۔ بھلا کیا قیمت ہوگی اس کی؟" ماریہ نے اپنا پیلے رنگ کا کرتا ساتھ لگا کر اس پر کالے دھاگے کی نفیس کڑھائی پر ہاتھ پھیرا۔

"اچھا ہے بہت مگر قیمتی نہیں ہے۔ یہی کوئی ہزار تک کا ہوگا۔" عطیہ نے موبائل پر میسج لکھتے ہوئے قدرے بے پروائی سے جواب دیا۔

"اب اتنا بھی سستا نہیں ہوگا آپی۔ یہاں اس طرح کے کرتے دو ہزار سے کم میں نہ ملیں۔" ماریہ اپنے کرتے کی بے وقعتی پر برا مان گئی۔

"اتنے کا ہی ہوگا ڈیئر۔ لاہور میں کپڑے بہت سستے ملتے ہیں بلکہ شاید ہزار سے بھی کم کا ہوگا۔" صفیہ کا یوں عطیہ کی بات کی تائید کرنا ماریہ کو مزید سلگا گیا۔

"ہاں میں آپ بھی صفیہ باجی۔ آپ نے تو اچھی توہین کر دی میرے کرتے کی۔"

"تو اور تمہیں کیا لگتا ہے کہ ارباب جو سب کے لیے کچھ نہ کچھ لے کر آیا ہے وہ دو ہزار کے تحفے لایا ہوگا؟ شرط لگا لو مجھ سے ہزار سے بھی کم اس کی لائی ہر چیز ہے۔" صفیہ نے بہت وثوق سے کہا۔

"مجھے تو یہ بات ہضم نہیں ہوتی کہ ابا نے انہیں معاف کر کے گلے کیسے لگا لیا۔ دو سال سے تو فون کر کے یہ تک نہ پوچھا گیا کہ زندہ ہیں کہ مر گئے اور اب بڑے مزے سے منہ اٹھائے چلے آئے ہیں۔" عطیہ کے موقف سے سب متفق تھیں۔ ان میں سے کسی کو بھی امید نہ تھی کہ عبدالغنی صاحب اس طرح اتنی آسانی سے ارباب کو کسی بھی باز پرس کے بغیر نہ صرف گھر میں داخل ہونے دیں گے۔ بلکہ یوں برتاؤ کریں گے جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔

دو سال قبل جب پڑھائی ختم کرنے کے بعد اسے وہیں لاہور میں نوکری ملی تھی تو وہ گھر بار اور خاندان کو ایسے بھول گیا کہ جیسے ان سب سے کبھی اس کا کوئی تعلق نہ رہا ہو۔ بہت سے جاننے والوں کی زبانی سننے میں آیا تھا کہ اس نے لاہور میں کسی اچھے خاندان کی

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

لڑکی سے نکاح کرلیا ہے۔ پھر اچانک اس کا لوٹ آنا اور بچوں کا اسے بلا عذر قبول کرلینا ان ساتوں کے لیے قابل قبول نہ تھا۔

"وہ بیٹا ہے اس گھر کا۔ لڑکیوں کے لیے گناہ کی' غلطی کی' بے احتیاطی کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی کہ والدین کی لاج بیٹیوں کے ہاتھ ہوتی ہے' بیٹوں کے نہیں۔ میں یا تم میں سے کوئی ایک دن بھی گھر سے باہر رہے تو وہ اس گھر میں واپس اگلا قدم نہ رکھ سکے گی۔ مگر گھر کا کوئی بھی بیٹا دو سال چھوڑو بیس سال بھی گزار کر آئے تو یوں ہاتھوں ہاتھ لیا جائے گا گویا صبح کا گیا شام میں لوٹا ہے۔ یہی ہمارے معاشرے کے ڈبل اسٹینڈرڈ ہیں۔" سونیا کی بات کے اختتام پر کمرے میں خاموشی چھا گئی۔

"والدین کے لیے تو سب بچے برابر ہوتے ہیں نا آپی۔" ماریہ کے اس بھولپن پر وہ ہنس دی۔

"ہوتے ہیں میری جان' مگر محض کتابوں کی حد تک اصل زندگی میں نہیں۔ سچ یہی ہے کہ والدین کے لیے سب اولاد برابر نہیں ہوتی۔ یہ تو دل کے سودے ہیں نا اور دل پر بھلا کیا زور؟ ہم بہن بھائیوں میں اماں' ابا نے سب سے زیادہ پیار ارباب سے کیا۔ کیونکہ وہ ان کی پہلی اولاد تھی۔ پھر عطیہ سے کیونکہ وہ ان کی آخری اور سب سے چھوٹی اولاد ہے۔ پھر بابر سے کہ وہ بچپن سے کچھ کمزور اور بیمار رہا ہے اور سب سے آخر میں بچی میں۔ میں نہ پہلی اولاد تھی' نہ آخری اور نہ ہی کمزور' لہٰذا میرے حصے میں بچی کھچی محبت آئی۔ دل کے معاملات میں انسان انصاف نہیں کرپاتا۔"

ہنس کر بات شروع کرنے والی سونیا کے ہونٹوں پر بات کے اختتام پر ایک زخمی مسکراہٹ اور آنکھوں میں نمی در آئی۔ سب ہی خاموش ہو گئیں۔

"سونی! تم ایموشنل ہو رہی ہو یار۔" صفیہ نے پیار سے اس کا ہاتھ تھاما۔ عطیہ گم صم سی بہن کو دیکھ رہی تھی۔

"نہیں۔ میں پریکٹیکل ہو رہی ہوں۔ جانتے ہو تم لوگ کہ بہت سال پہلے برابر والے گاؤں میں جب ایک بھائی نے اپنی بہن کو قتل کردیا تھا اور اس کے ماں' باپ نے بیٹے پر سے مقدمہ واپس لے لیا تو میں نے اماں سے پوچھا تھا کہ اگر ارباب مجھے مار ڈالے تو آپ بھی اسے معاف کردیں گی۔" وہ کچھ لمحے کو رکی اور قدرے توقف سے گویا ہوئی۔

"اماں نے کہا کہ یہ کیسا سوال ہے۔ خدا نہ کرے ایسا ہو۔ مگر جب میں نے ضد کی تو جانتی ہو اماں نے کیا جواب دیا؟"

عطیہ نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

"اماں نے کہا کہ میں ارباب کو معاف کردوں گی۔ کیونکہ وہ میری اولاد ہے' مگر اس سے بات نہیں کروں گی' کیونکہ تو بھی میری اولاد ہے۔"

عطیہ کی نگاہیں جھک گئی تھیں۔

"اماں کے جواب دینے سے قبل دل کو کوئی خوش فہمی تھی جیسے' جو اماں کے جواب دینے تک دعا کرتا رہا کہ اماں کہہ دیں کہ وہ ارباب کو معاف کریں گی' مگر کسی حد تک سزا ضرور دلوائیں گی' مگر اماں نے تو اسے سرے سے معاف کر ڈالا۔" اس کے لہجے میں بہت تھکان تھی۔

"مگر تائی نے یہ بھی تو کہا کہ وہ اسے معاف تو کریں گی' مگر بات نہ کریں گی۔" صفیہ کو دیکھ کر وہ زخمی انداز میں مسکرا دی۔

"کیا سونیا کی جان اتنی سستی ہے کہ اماں صرف ارباب سے تھوڑے وقت ناراض ہو جاتیں؟" اس کے سوال پر صفیہ کچھ بول نہ سکی۔

"چھوڑو یہ سب۔ محبتوں میں انصاف نہیں ہوتا۔ اس ناانصافی پر تو شاید خدا بھی انسان کو معاف کردے۔" اس نے مسکرا کر بال باندھے اور اپنے تکیے پر سر رکھ کر آنکھیں موند لیں۔

سب کے دلوں پر ہی اداسی چھا گئی۔ ان ساتوں کا بھی آپس میں عجیب رشتہ تھا۔ کسی ایک کی تکلیف سب کی تکلیف ہوتی اور کسی ایک کا قرار سب کا قرار بن جاتا۔ قدرت نے عجیب سی ڈور سے ان کے دلوں کو باندھ رکھا تھا۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

"اصل بات تو رہ ہی گئی ارباب بھائی واپس کیسے آگئے؟" ماریہ نے گویا یاددہانی کرائی۔

"زن اور زر۔۔۔ یہ دو چیزیں ہی انسان کا ایمان خراب کرتی اور بدلتی ہیں۔ اب پتا نہیں ارباب بھائی کا ایمان کس نے پلٹا ہے۔ زن نے یا زر نے۔" کنول جو بہت دیر سے خاموش تھی۔ بڑے پتے کی بات کر گئی۔

"یہ تو وقت ہی بتائے گا یارو۔" کنول بھی سونے کے لیے لیٹ گئی۔

☆ ☆ ☆

اگلی صبح صفیہ کے جگانے پر شدید سردرد کے باعث سونیا نے اسکول جانے سے انکار کردیا۔ اس کی متورم آنکھیں بھید کھول گئیں کہ رات بھر وہ روتی رہی ہے۔ صفیہ نے متاسف انداز میں سر ہلاتے ہوئے مزید کریدنے سے اجتناب کیا اور ناشتہ کرکے اکیلے ہی اسکول کے لیے نکل گئی۔ ابھی وہ پھر سے نیند میں گئی ہی تھی کہ باہر برآمدے میں خالہ برکت کی تیز آواز سے اس کی آنکھ کھل گئی۔ خالہ برکت برابر والے گھر سے دو گھر چھوڑ کر رہتی تھیں اور اکثر ہی دادی سے ملنے چلی آتیں۔ اکیلی عورت تھیں جو بیٹیوں کو بیاہ کر اب اپنی بہن کے ہاں زندگی کے بچے کھچے دن پورے کررہی تھیں۔ کتنی ہی دیر وہ کروٹیں بدلتی، سونے کی کوشش میں ہلکان ہوتی رہی۔ مگر نیند نے آج اس پر مہربان نہ ہونے کی قسم کھا رکھی تھی۔ سردرد تھا کہ بڑھتا ہی چلا جارہا تھا۔ کنپٹی کو انگلیوں کی پوروں سے دباتے رہنے کے باوجود اس کے سردرد میں آرام نہ آیا تو اٹھ کر باورچی خانے میں چلی آئی۔ فرحت بہار ناشتے کے برتن دھو رہی تھیں، جبکہ دادی کے کمرے میں دیگر خواتین محفل جمائے بیٹھی تھیں۔

"ارے اٹھ گئیں؟ صفیہ بتا رہی تھی تمہاری طبیعت نہیں ٹھیک ہے تو میں نے بھابھی بیگم سے کہا کہ آج اسے جی بھر کر سونے دیں۔ کیا ہوا ہے طبیعت کو؟"

وہ وہیں پیڑھی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔

"سخت سردرد ہے۔ اب تو برداشت سے باہر ہوا جارہا ہے۔" وہ دونوں ہاتھوں کی شہادت کی انگلی سے کنپٹی کو دباتے بمشکل کہہ پائی۔

"ناشتہ بنا دیتی ہوں، کھا کر دوائی لے لو اور پھر سو جانا۔ آج چھٹی کی ہے تو آرام کرو اور خبردار جو ٹی وی دیکھا یا رسالہ پڑھا تو۔" وہ اس کے پژمردہ چہرے کو دیکھتے ہوئے بولیں جہاں برسوں کی تھکان رقم تھی۔

"مجھے بس ایک چائے کا کپ اور پاپے دے دیں۔"

فرحت بہار نے اس کے سامنے گرما گرم بھاپ اڑاتی چائے رکھی تو بمشکل دو پاپے زہر مار کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

الماری سے رفع درد کی دوا نکال کر دو گولیاں پانی سے لے کر وہ کمبل اوڑھ کر لیٹ گئی۔ سر میں جیسے دھماکے سے ہورہے تھے۔ مگر گھنٹے بعد نیند آگئی تھی۔

دوبارہ اس کی آنکھ تب کھلی جب کوئی زور زور سے اسے جھنجھوڑ رہا تھا۔ بمشکل پلکوں کی درز سے اس نے سامنے کا منظر دیکھا جو کسی گہرے خواب کی مانند لگتا تھا۔ سامنے کھڑے شخص کی شناخت میں اسے وقت لگا۔ وہ شمعون تھا۔ اس نے آنکھیں جھپکتے ہوئے کسلمندی سے برابر کھڑی عطیہ اور اس کے پیچھے کھڑی پوری فوج کو دیکھا۔

سر کو جھٹکتے ہوئے اس نے کہنیوں کے بل اٹھنے کی کوشش کی۔ "کیا ہوا، سب خیریت ہے نا؟"

"لیٹی رہو، اٹھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ تو ہم پوچھنے آئے ہیں کہ آج خیریت ہے نا۔ اٹھنے کا ارادہ نہیں ہے کیا؟ یا مردوں سے شرط لگا کر سوئی ہو کہ پہلے جاگتے ہیں یا محترمہ سونیا عبدالغنی۔"

شمعون کے شرارت سے کہے الفاظ اس کے چہرے پر چھائے تفکر سے ہم آہنگ نہ تھے۔ وہ اسی کا تھا، جذبات کو دبا کر بشاش رہنے کا دکھاوا کرنے والا۔

"ہاں بس دوا لے کر تھوڑی دیر ہی سوئی کہ تم لوگ آگئے۔" اس کا ذہن جیسے پھر سے غنودگی کا شکار ہورہا تھا۔ البتہ اب پہلے والا سردرد نہ تھا۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

"سر درد کیسا ہے اب؟"

"بہت بہتر ہے۔ تھوڑا سو لیا ہے تو آرام ہے۔ دوائی لے کر سوئی تھی کہ تم لوگوں نے جگا دیا۔" بے حد نقاہت سے کہتے اس نے آنکھیں موند لیں۔

"اب بھی نہ جگاتے کیا؟ شام کے سات بج رہے ہیں۔" شمعون کے الفاظ پر اسے کرنٹ سا لگا اور وہ گھبرے سناٹے میں آ گئی۔ وہ صبح نو بجے سوئی تھی اور اب شام کے سات بج رہے تھے۔ وہ دس گھنٹے سوتی رہی اور اسے احساس بھی نہ ہوا اور کسی نے اسے جگایا کیوں نہیں؟

"مجھے اٹھایا کیوں نہیں؟" اس نے بچوں کے سے انداز میں پوچھا۔ "کب سے جگا رہے ہیں مگر تم تو جیسے بے ہوش ہو گئی تھیں۔ ہمیں تو تشویش ہوئی کہ کہیں ساڑی گڑی ٹرتے نی گئی؟" اس کی ہونق صورت کو دیکھتے شمعون نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔

"اچھا چلو کوئی بات نہیں' نیند تو پوری ہو گئی نا اور سر درد بھی نہیں رہا۔ اب اٹھ کر منہ ہاتھ دھو کر کھانا کھاؤ' پھر دوائی لے کر ساتھ گپ شپ لگاؤ۔ میں چاچی سے کہتا ہوں کہ سبز چائے میں لیموں ڈال کر بھجوائیں۔" ان سب کو آنکھوں سے اشارہ کرتے ہوئے وہ نرم لہجے میں بولا تو سب اس کی بات میں چھپے مفہوم کو پا کر سر ہلاتی مسکرا دیں۔

رات کے کھانے کے بعد سب ہی سونے کے لیے لیٹ گئے۔ سونیا کے آرام کے خیال سے حسب معمول ان کے کمرے میں محفل نہ جمی تھی۔ عطیہ اور صفیہ کھانے کے بعد قہوہ پینے کی عادی تھیں اور اپنی اس عادت کو وہ ہر طرح کے موسم میں جاری رکھتی تھیں۔ خواہ جولائی کے مہینے میں چھ' سات گھنٹے کی لوڈشیڈنگ ہی کیوں نہ ہو' جم پانی کی طرح ٹپکتے پسینے کو دوپٹے سے پونچھتے ہوئے بھی دونوں قہوہ نوش فرمائیں۔ دبے پاؤں دونوں ہی باورچی خانے میں چلی آئیں۔ صفیہ نے قہوے کا پانی چڑھایا اور پتی ڈال کر وہیں کھڑی اس کے ابلنے کا انتظار کرنے لگی جبکہ عطیہ خاموشی سے دروازے کے قریب پیڑھی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔

"میں سونی کے لیے بہت پریشان ہوں۔" ان دونوں کے درمیان کی خاموشی کو صفیہ نے توڑا۔

"اور میں پریشان سے کہیں زیادہ حیران ہوں اس کی سوچ پر۔"

"کیوں حیران کیوں؟" صفیہ نے رخ موڑتے اس کے جھکے سر کو دیکھا۔

"اتنی کتنی بھری ہے وہ بھی میری۔ کس میں اور مجھے کبھی پتا نہ چل سکا۔" اس نے سر گھٹنوں پر دھر دیا اور پاؤں کے انگوٹھے سے کچے فرش کو کھرچنے لگی۔ "وہ سوچ بھی کیسے سکتی ہے کہ اماں' ابا اس سے پیار نہیں کرتے۔"

صفیہ نے قہوے کا کڑکا گرم پیالہ اس کی جانب بڑھایا۔

"ہاں بھئی لڑکیوں! تم دونوں نے کیوں ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنا رکھی ہے؟ اور یہ کھسر پھسر کس کے خلاف ہو رہی ہے؟" وہ دروازے میں ہی کھڑا تھا' سینے پر ہاتھ باندھے دونوں کو گھور رہا تھا۔

"ہم اپنی باتیں کر رہے ہیں۔" عطیہ نے قہوہ کی چسکی بھری۔

"آؤ تم بھی آ جاؤ۔" صفیہ نے اسے اندر آنے کی دعوت دی۔

"ویسے خلیل جبران کہتا ہے کہ جب دو عورتیں بات کرتی ہیں تو ان کی باتوں کا کوئی مفہوم نہیں ہوتا ہے۔" وہ وہیں کھڑے کھڑے بولا۔

"مجھے تو یہ خلیل جبران کے بجائے تمہاری کہاوت لگتی ہے۔ خلیل جبران اتنی فضول باتیں نہیں کرتا تھا۔" عطیہ نے پیالہ ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں منتقل کرتے طنز کیا۔ تو وہ شوخ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔

"چلیں اگر آپ اتنی دانائی کا سہرا ہمارے سر باندھتی ہیں اور ہمیں خلیل جبران ٹھہراتی ہیں' ہمیں کیا اعتراض ہے۔" وہ جانتی تھی کہ وہ اس سے بحث میں نہیں جیت سکتی۔ لہٰذا خاموشی سے قہوہ پینے لگی۔

وہ دونوں قہوہ ختم کر چکی تھیں۔ عطیہ نے تمام برتن

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

جمع کر کے سنک میں رکھے۔

"سونی کسی بات پر ڈسٹرب ہے کیا؟" اس کے سنجیدگی سے کیے سوال پر صفیہ نے گزشتہ رات کی بحث کے چیدہ چیدہ حصے اسے سنا ڈالے۔

"خیر' یہ معاملہ جانے دو۔ تم لوگ اب اس کے اندر کے اس احساس کمتری کو نہیں پاٹ سکتے جو بچپن سے پل کر اب اس کے ساتھ ہی جوان ہو چکا ہے۔" اس نے ہاتھ جھاڑے اور مڑا۔ "اور سنو اب سو جاؤ جا کر' کہیں کوئی بھوت پریت نہ چمٹ جائے۔"

"عطیہ کے ہوتے میں کیوں ڈروں۔ یہ بہت بہادر ہے' بھگا دے گی بھوتوں کو۔" صفیہ نے عطیہ کے بازو میں چٹکی کاٹی۔

"ہاں یہ تو خود لوگوں کو قبضے میں کرنے کی خصوصیات رکھتی ہیں۔"

وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑاتا وہاں سے چلا گیا تو صفیہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

☼ ☼ ☼

رات کے اندھیرے کی وجہ سے اس سے چلنا محال ہو رہا تھا۔ پھر بھی وہ اندھیرے میں ٹٹولتی ہوئی گلی کے کونے تک پہنچی۔ دور کہیں اسے مدقوق روشنی بلند ہوتی نظر آئی تو وہ آن کی آن میں اس روشنی کی طرف لپکی تھی۔ جو کسی لالٹین سے ابھر رہی تھی۔ لالٹین والا ہاتھ ہوا میں بلند ادھر سے ادھر ہچکولے کھا رہا تھا۔ اس نے اس ہاتھ کے پیچھے کالی چادر میں چھپے وجود کی طرف دیکھا۔ جس کا آدھا چہرہ کالی چادر میں چھپا تھا۔

"کون ہو تم؟" وہ گہرے گہرے سانس لیتی پوچھ بیٹھی۔

لالٹین والا ہاتھ فضا میں مزید بلند ہوا اور اس کے چہرے کے برابر آ کر ٹھہر گیا۔ اس کی روشنی سے آنکھیں چندھیا گئیں تو اس نے اپنا ہاتھ آنکھوں کے سامنے رکھ لیا۔ تب ہی اسے مقابل کے سسکنے کی آواز سنائی دی۔ ہاتھ کو آنکھوں سے ہٹاتے اس نے پلکیں پھاڑے اس آدھے عیاں چہرے کو جانچنے کی سعی کی تو اس کا دماغ بھونچکا رہ گیا۔ وہ کنزی تھی۔

"کنزی آپ!" اس کے لب وا ہوئے۔ آنکھوں سے رواں آنسوؤں نے اس کے وجود کو خوف ناک حد تک پراسرار بنا دیا تھا۔ اس نے خوف سے جھرجھری لی اور دو قدم پیچھے ہٹی۔ یکدم پیچھے سے کسی نے اس کی گردن کے گرد لپٹے نائیلون کے دوپٹے کو رسی کی مانند جکڑ لیا۔ گلے میں پڑا دوپٹا اس کے لیے کسی پھانسی کے موٹے رسّے سے کم نہ تھا۔ اس کا دم گھٹنے لگا تو وہ کھانسنے کی کوشش میں کنزی کو مدد کے لیے پکارنے کی کوشش میں ہاتھ پاؤں مارنے لگی۔ ساتھ ہی وہ دونوں ہاتھوں سے دوپٹے کی گرفت کو اپنی گردن کے گرد کمزور کرنے کی کوشش بھی کرتی رہی۔ مگر سب جیسے بے سود تھا۔ بے فائدہ۔

کنزی روتے ہوئے سر کو نفی میں ہلاتی آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگی۔ وہ اس کی مدد نہیں کر سکتی تھی کہ اسے خود کو بچانا تھا۔ دوسری طرف دوپٹے کا پھندا مزید مضبوط ہوتا گیا۔ رفتہ رفتہ اس کے ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑنے لگے اور آنکھیں تکلیف کے سبب باہر کو ابلنے لگیں۔

کنزی روشنی سمیت بہت دور ہو گئی تھی۔ گھٹن اور اندھیرے کا احساس سوا ہو چکا تھا۔ اس کی شریانوں میں دوڑتا خون رکنے لگا تھا اور اس کی سانس بھی۔ گلے کی ہڈی چٹخنے کے قریب تھی تو گویا موت آن پہنچی تھی۔ اتنی جلدی؟ اتنی سی عمر میں؟ ابھی تو اس نے جی بھر کر دنیا کے رنگ بھی نہ دیکھے تھے۔ اس نے آخری وقت سامنے پا کر کلمہ توحید پڑھنے کی کوشش کی ہی تھی کہ اس کی گردن دوپٹے کے پھندے سے آزاد ہو گئی اور کسی نے پوری قوت سے اسے دھکا دیا۔ وہ لڑھکتی ہوئی زمین پر گیند کی طرح گول ہو گئی۔

ایک زوردار قہقہہ حلق سے ابلا تھا۔ اس نے اپنے نیم جان وجود کو سمیٹتے ہوئے' سہمے ہوتے پلکوں کی درز سے اس قہقہے لگاتے وجود کی جانب دیکھا تو اس کا دل اچھل کر حلق تک آ گیا۔ بھیانک اور کریہہ چہرے والا شخص اس کے سامنے کھڑا ہنس رہا تھا۔ اس کے

قہقہے کانوں میں پگھلے ہوئے سیسے کی مانند انڈیل رہے تھے۔ کانوں پر ہاتھ رکھتے اس نے آنکھیں بھینچ لیں۔ جوں ہی آنکھیں کھولیں' وہ اپنے بستر پر لیٹی تھی۔ اِدھر اُدھر نظریں گھمانے پر وہ سب اسے آپس میں سر جوڑے ریڈیو میں سر دھنتی نظر آئیں۔ اس کا پورا بدن پسینے سے بھیگا ہوا تھا اور سانس دھونکنی کی مانند تیز چل رہی تھی۔ تو وہ سب خواب تھا۔ وہ ایک بھیانک خواب سے جاگی تھی۔ اسے یاد آیا کہ گزشتہ دو روز سے ناسازیٔ طبیعت کے باعث وہ دوا کے زیر اثر جلدی سو جاتی تھی۔ وہ سب جاگ رہی تھیں تو گویا رات کے دس' ساڑھے دس کا وقت تھا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور کمبل پرے دھکیلا۔ اس کو اٹھتا دیکھ کر وہ سب اس کی جانب متوجہ ہوئیں۔

"کیا ہوا؟ سوتے میں ڈر گئی ہو؟" عطیہ نے آگے بڑھ کر اس کے عرق آلود چہرے کو دیکھا۔ صفیہ نے تپائی پر دھرے جگ سے پانی گلاس میں انڈیل کر اس کی جانب بڑھایا۔ وہ کنزی کی جانب خوف زدہ نظروں سے دیکھتے گلاس لبوں سے لگا گئی۔ دو گھونٹ پیتے ہی اس کے حلق میں اگے کانٹے غائب ہو گئے تھے۔

"کیا ہوا مجھے اس طرح سے کیوں دیکھ رہی ہو؟" اس کی نظروں کا ارتکاز خود پر محسوس کر کے کنزی پوچھ بیٹھی۔ وہ اسے کیا بتاتی کہ اسے کیا ہوا ہے۔

کیا مطلب تھا اس خواب کا؟ کنزی کے آنسو۔ اس کی مدد نہ کرنا۔ وہ گلے کے گرد پھندا۔ اور وہ بھیانک وجود۔ سب کس سلسلے کی کڑیاں تھے؟

باقی ماندہ پانی بھی حلق میں انڈیلتے اس نے گلاس واپس صفیہ کو تھما دیا۔

"کوئی میرے ساتھ باتھ روم چلے گا؟" اس نے کنزی کی طرف دیکھنے سے اجتناب کرتے باقی سب سے سوال کیا' جسے کنزی نے واضح محسوس کیا تھا۔ وہ خاموشی سے نظر انداز کرتے رخ پھیر گئی۔ جب کسی شخص کا رویہ ہماری سمجھ سے بالاتر ہو جائے تو خواہ مخواہ اس پر الجھ کر خود کو ہلکان کیا کرنا۔

"چلو میں چلتی ہوں۔" صفیہ نے دوپٹا سر پر ڈالے ہامی بھری۔

"مجھے بھی جانا ہے۔" ماریہ بھی ان دونوں کے ساتھ ہو لی۔

سونیا کی طبیعت کے باعث وہ تینوں سست روی سے چلتی صحن تک آئیں۔ صفیہ نے برآمدے اور صحن میں لگے تمام بلب جلا دیے تو سارا گھر روشنی میں نہا گیا۔ ماریہ سب سے پہلے لپک کر باتھ روم میں گھس گئی۔ وہ دونوں وہیں باتھ روم کے پاس برآمدے کی سیڑھیوں پر بیٹھ گئیں۔

"کیسا محسوس کر رہی ہو؟" صفیہ کے سوال پر اس نے محض سر ہلانے پر اکتفا کیا۔ ذہن اب تک خواب میں ہی الجھا ہوا تھا۔

"خواب میں ڈر گئی تھیں؟ کچھ پڑھ کر نہیں سوئیں؟" صفیہ نے اس کے الجھے پریشان چہرے کو دیکھا تو وہ چونکی۔ وہ آج واقعی کچھ بھی پڑھے بغیر سو گئی تھی۔ روز کا اس کا معمول تھا سونے سے پہلے آیت الکرسی اور درود شریف پڑھ کر دائیں کروٹ سونا۔ جب بھی وہ اپنے اس معمول سے ہٹتی' وہ ایسے ہی خواب میں ڈر جایا کرتی تھی۔ اس نے گہرا سانس لیتے اپنے بکھرے بالوں کو کھول کر سمیٹتے پھر سے جوڑے میں جکڑا تھا۔ ماریہ نکل کر ہاتھ سامنے تار پر لٹکے تولیے سے پونچھنے لگی تو وہ اٹھ کر باتھ روم میں چلی گئی۔ ماریہ ہاتھ پونچھتے ہوئے برآمدے کی طرف بڑھی تو صفیہ نے پیچھے سے ہانک لگائی۔

"ارے ہیلو کدھر؟ مجھے اکیلا چھوڑ کر کہاں چل دیں؟" ماریہ نے کمرے کے دروازے تک پہنچ کر پیچھے مڑ کر آنکھ دبائی اور دانت نکالتے دروازہ کھول کر اندر غائب ہو گئی۔ صفیہ بکتی' جھکتی وہیں سیڑھیوں سے اوپر بنے ستون سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ سونیا کے نکلنے پر وہ اسے وہیں رکنے کا بول کر چلی گئی۔ وہ وہیں سیڑھیوں پر بیٹھ کر سر گھٹنوں پر دھرے سامنے صحن میں کسی غیر مرئی نقطے کو گھورنے لگی۔ اسے اپنے پیچھے کسی کی موجودگی کا احساس ہوا تو ایک جھٹکے سے اس نے مڑ کر پیچھے دیکھا۔ پیچھے ماریہ کھڑی تھی۔ اس نے کھڑی

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

سانس خارج کرتے اس کے لیے اپنے برابر جگہ بنائی۔
"تم یہاں رکو گی؟ میں اندر جانا چاہتی ہوں۔ ٹھنڈ لگ رہی ہے۔" اس کے پوچھنے پر ماریہ نے اثبات میں سر ہلایا تو وہ دوپٹا کھول کر اپنے گرد لپیٹتی اٹھ کر کمرے کی طرف چل دی۔ اس نے دروازے کے قریب پہنچ کر ماریہ کو دیکھا۔ مبادا وہ گھبرا نہ جائے۔ وہ اس کی جانب ہی گردن موڑے دیکھ رہی تھی۔ سونیا کو اپنی طرف تکتا پا کر وہ مسکرادی تو وہ مطمئن سی کمرے میں داخل ہوگئی۔ سامنے کنزیٰ سے نظریں ٹکراتے ہی اس نے دانستہ نظر چرائی اور جوں ہی اپنی چارپائی کی جانب مڑی تو اس کے قدم وہیں تھم گئے۔ حیرت کا جھٹکا لگا اور وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اپنی جگہ پر کمبل میں لپٹی ماریہ کو دیکھنے لگی۔

"ماریہ۔۔۔ تم۔۔۔ تم تو۔۔۔ وہاں۔۔۔ باہر تھیں۔" وہ ہکلائی۔

"باہر سے تو میں کب کی آگئی تھی ناں۔" ماریہ جماہی روکتے ہوئے منمنائی۔

"ہاں۔۔۔ مگر میں تو تمہیں باہر صفیہ کے لیے بٹھا کر آئی تھی۔" اس نے تھوک نگلتے بے یقینی سے پوچھا اور وہیں سے الٹے پاؤں واپس بھاگی اور ایک جھٹکے سے دروازہ کھولتے باہر برآمدے میں جھانکا۔ دور برآمدے کی سیڑھیاں خالی پڑی تھیں۔ اس کے رونگٹے کھڑے ہوگئے تھے۔ وہ جلدی سے اپنے بستر میں آکر لیٹ گئی۔ بے یقینی سی بے یقینی تھی۔ وہ خود ماریہ کو وہیں بٹھا کر اندر آئی تھی اور دروازے کے قریب پہنچ کر اس نے مڑ کر اسے دیکھا بھی تھا۔ جواباً "وہ" مسکرادی بھی تھی۔ وہ خواب ہرگز نہ تھا۔ کوئی اور دروازہ یا راستہ بھی نہ تھا جس کے ذریعے ماریہ اس سے قبل پہنچ جائے تو پھر؟ باہر برآمدے میں وہ کون تھی۔ اگر ماریہ اس کے برابر ہی تھی۔

"سونی کی بچی! مجھے اکیلا چھوڑ کر چلی آئی۔" صفیہ پیچھے سے دروازہ کھولتے ہی دہاڑی۔ ماریہ اس کے ساتھ ہی تھی تو اسے کس بات کا ثبوت درکار تھا؟ رہی سہی کسر صفیہ کے جملے نے پوری کردی۔ وہ خوف کے مارے ماریہ سے لپٹ گئی اور آنکھیں زور سے بند کرتے آیت الکرسی پڑھنے لگی۔ کچھ دیر پہلے کا منظر پھر سے آنکھوں کے سامنے آگیا تھا۔

☆ ☆ ☆

راحیلہ پھپھو نے منگنی کے لیے خریدا تمام سامان لاہور سے ڈرائیور کے ہاتھوں منگنی سے پانچ روز قبل ہی بھجوا دیا تھا۔ کیوں کہ سونیا کی طبیعت ابھی تک ٹھیک سے سنبھلی نہ تھی۔ مگر وہ منگنی میں تاخیر نہیں کرنا چاہتے تھے۔ تمام جوڑے اور زیورات جدید طرز کے بنے ہوئے اور انتہائی خوب صورت تھے۔ وہ سب کی سب تمام سامان اپنے کمرے میں بکھرائے ہاتھ پھیرتے ہوئے رشک بھری نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔ منگنی کی تقریب کا لباس بے حد خوب صورت اور قیمتی تھا۔ آتشی گلابی اور نارنجی رنگ کا انگرکھا فراک اور چوڑی دار پاجامے پر سفید چمکتے موتیوں اور نگینوں کا کام بڑی مہارت سے کیا گیا تھا۔ دوپٹا بھی بھاری کام سے مزین تھا۔ منگنی کے جوڑے کے علاوہ بھی پھپھو نے چار بیش قیمت خوب صورت کام والے جوڑے بھجوائے تھے۔ ہر جوڑا ہی چیخ چیخ کر اپنی قیمت ظاہر کررہا تھا۔ وہ سب اس کی قسمت پر رشک کررہی تھیں۔ کنول اور عطیہ اس کی منگنی کا جوڑا سمیٹتے ہوئے بڑے کمرے میں استری کرنے لے گئیں۔ جبکہ صفیہ اور ثوبیہ اس کا سارا زیور اٹھائے سکینہ خاتون کے ہمراہ ان کے کمرے کی لوہے والی الماری میں حفاظت سے رکھنے چل دیں۔

کنزیٰ اس دن کے بعد سے سونیا سے کترائی کترائی سی پھر رہی تھی۔ البتہ سونیا کے پاس بیٹھی ماریہ سامنے بکھرے جوڑوں کو تہ کرتے ان کی تعریف میں اس قدر منہمک تھی کہ سونیا کی بکھری بکھری اور پراگندہ سی حالت زار کی جانب اس کی توجہ مبذول ہی نہ ہو سکی۔

باہر سے فرحت بہار نے اسے پکارا تو وہ تمام جوڑے وہیں چھوڑ کر باہر گئی اور جب لوٹی تو دروازے سے اندر قدم رکھتے ہی ایک دل خراش چیخ نکل گئی۔ سونیا اپنے

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

سسرال سے آئے جوڑوں میں سے سفید اور سرخ رنگ کی بھاری کام والی قمیص کو عین درمیان سے قینچی تھامے کاٹ رہی تھی۔

ماریہ کی چیخ پر اس نے لحظہ بھر کو رک کر ماریہ کی طرف دیکھا اور پھر سے دانت پیستے ہوئے پہلے سے بھی تیزی سے قمیص کو کاٹنے لگی۔ ماریہ کی پے در پے چیخوں پر فرحت بہار، کنول اور عطیہ بھاگتی ہوئی جوں اندر داخل ہوئیں تو دماغ وہیں بھک سے اڑ گئے۔ کنول کے حلق سے بھی دلخراش چیخ بلند ہوئی اور عطیہ وہیں دروازہ میں ہی دل تھامے کھڑی رہ گئی۔ فرحت بہار نے لپک کر اس کے ہاتھ سے قینچی چھیننا چاہی تو اس نے پوری قوت سے انھیں پرے دھکیل دیا۔ انھیں اس کے وجود پر کسی فولادی قوت کا گمان ہوا تو وہیں کی وہیں تھم گئیں۔

"ماریہ! جلدی سے بھابھی بیگم کو بلا لاؤ، جلدی۔"

ماریہ سرعت سے بھاگتی جوں برآمدے کے درمیان میں پہنچی، سکینہ خاتون کے پیچھے وہ تینوں بھی بھاگتی ہوئی آرہی تھیں۔ یقیناً وہ گھر میں گونجتی چیخوں کو سن کر ہی دوڑی آئی تھیں۔ ماریہ نے کپکپاتے ہاتھوں سے اندر کمرے کی طرف اشارہ کیا۔ سکینہ خاتون جوں ہی اندر داخل ہوئیں تو ان کے قدم وہیں جم گئے۔ عطیہ اس کے ہاتھوں سے قینچی لینے کی کوشش میں لگی تھی۔ اندر کا منظر آنے والے تمام افراد کے لیے حیرت انگیز اور ناقابل فہم تھا۔ سکینہ خاتون تو ششدر سی وہیں دروازے میں کھڑی رہ گئیں۔

کنزی نے آگے بڑھ کر فرحت بہار کو سہارا دیا جو سیمنٹ کے پکے فرش پر دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھی تھیں۔

عطیہ اس کے ہاتھ سے قینچی چھیننے میں کامیاب ہو چکی تھی اور تب ہی سونیا بے جان سی ہو کر نیچے گری۔ تینوں نے اسے اٹھا کر اس کی چارپائی پر ڈالا۔ خاتون نے سامنے بکھرے ان تمام بھاری اور خوب صورت کامدانی جوڑوں کو حسرت سے دیکھا۔ جو اب تار تار ہو چکے تھے۔ پچھلے سات منٹ میں ہونے والے اس دل دہلا دینے والے واقعہ نے کمرے میں موجود تمام نفوس کے دماغ کو ماؤف کر ڈالا تھا۔

☆ ☆ ☆

"مس ثنا آپ مس سونیا کو اپنے ساتھ لے جائیں اور ان سے کوئز سولو کروائیں۔ لیٹ اس سونیا کتنی اسمارٹ اور انٹیلی جنٹ ہے۔" ڈاکٹر اظہر فارس نے اسپتال کے مخصوص لباس میں ملبوس ایک دبلی پتلی سانولی سی لڑکی کو مخاطب کیا، جو ان کے انٹر کام سے بلائے جانے پر چند ہی لمحے قبل اندر داخل ہوئی تھی۔ وہ مردہ قدموں سے اس کے پیچھے چل دی۔ دروازے سے باہر جاتے اس نے مڑ کر شمعون، بابر اور صفیہ کی جانب دیکھا جو اس کو ہی دیکھ رہے تھے۔

پچھلے دو دن سے سونیا بے خوابی کا شکار تھی، نہ خود وہ سوتی اور نہ ہی کسی دوسرے کو سونے دیتی تھی۔ سارا گھر اس کی بگڑتی حالت سے پریشان تھا۔ مناسب سی گفتگو اور کونسلنگ کے بعد ڈاکٹر اظہر نے اسے اپنی پی اے کے ہمراہ بھجوا کر دیگر تفصیلات ان تینوں سے طلب کی تھیں۔

"ہوں۔ اس سے پہلے بھی انھیں اس طرح فٹس (دورے) پڑتے رہے ہیں؟" ہسٹری لینے کے دوران ہی انھوں نے استفہامیہ نظروں سے ان تینوں کی جانب دیکھا۔

"نہیں سر! ہماری فیملی میں سے تو کسی کو بھی۔"

"سر! میری سسٹر کو بھی پچھلے دنوں اس قسم کے فٹس پڑے تھے۔ شاید کچھ مینٹل اسٹریس تھا کہ وہ بہت ضدی اور چڑچڑی سی ہو گئی تھی۔ حالانکہ وہ بہت دھیمے مزاج کی لڑکی ہے۔" بابر کی بات کاٹ کر شمعون فوراً بول پڑا تھا۔ ڈاکٹر کے پوچھنے پر اس نے کنزی کے بارے میں تفصیل سے بتایا تھا۔

"اوہ، اور اب آپ کی سسٹر کیسی ہیں؟"

قلم دو انگلیوں کے درمیان گھماتے ہوئے وہ اپنی گھومنے والی کرسی کو پیچھے دھکیل کر اس کی پشت سے کمر ٹکا کر بیٹھے تھے۔ "شی از فائن ناؤ۔"

انھوں نے گہری سانس لی اور پر سوچ لہجے میں بولے۔

"کیا یہ پاسبل ہے کہ آپ لوگ اس رشتے سے فی الوقت منع کر دیں؟" وہ تینوں اپنی اپنی جگہ چونکے تھے۔

"گھبرائیں مت۔ اٹس پارٹ آف ٹریٹمنٹ۔ دیکھیں ابھی میں قدرے یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا ہوں۔ کچھ ٹیسٹ ہیں' وہ کروائیں' رپورٹ آجائے تو ہی حتمی فیصلہ پر پہنچا جاسکتا ہے۔ فی الحال تو میں کچھ میڈیسنز دے دوں گا" تاکہ ان کی جو بے خوابی کی کیفیت ہے وہ ختم ہو جائے۔" وہ دھیمے لہجے میں بولتے تیز تیز قلم اپنے اسپتال کے مخصوص نشان والے رائٹنگ پیڈ پر چلا رہے تھے۔

"پھر بھی سر وہ ٹھیک تو ہو جائے گی نا؟" بابر نے بہت فکر سے استفسار کیا۔

"دیکھیں ہمارے پاس جتنے پیشنٹس آتے ہیں' ان میں سے ضروری نہیں کہ سب بیمار ہی ہوں۔ کچھ مریض حالات سے فرار کے لیے اپنی شخصیت پر ایک خول سا چڑھا لیتے ہیں۔ شاید سونیا اور آپ کی سسٹر۔ ہوں کیا نام بتایا آپ نے۔ ہاں کنزی۔ کنزیٰ اور سونیا ان دونوں کے ساتھ بھی معاملہ کچھ ایسا ہی ہے۔ کنزیٰ اس رشتے کے لیے ایگری نہیں ہوتی اور شاید تب ہی دماغ نے یہ منصوبہ ترتیب دیا جس میں وہ کامیاب بھی ہو گئی۔ رو دھو کر' چیخ چلا کر اس نے کسی بھی طرح اپنی بات منوالی اور جب انکار ہوا تو وہ بالکل ٹھیک ہو گئی۔ سونیا کے دماغ نے بھی اسی منصوبے پر عمل درآمد کرنے کا سوچا کیونکہ یہ طریقہ بے حد موثر ثابت ہوا تھا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ پلان ان دونوں کا مشترکہ ہو' شاید وہ کسی اور طرف رجحان رکھتی ہوں۔ خیر یہ سب کی باتیں ہیں جو رپورٹس آنے کے بعد ہی ثابت کی جاسکتی ہیں۔"

صفیہ کو اس کی بات اور انداز بالکل پسند نہ آئے تھے۔ مگر وہ مجبوراً" چپ سادھے بیٹھی رہی۔ ان دونوں کی خاموشی اس کو مزید تاؤ دلانے کے لیے کافی تھی۔ ڈاکٹر کے کمرے سے باہر نکلتے ہی وہ غصے سے پھٹ پڑی تھی۔

"وہ ڈاکٹر بکواس کر رہا تھا۔ فضول الزام لگا رہا تھا اور تم چپ بیٹھے سنتے رہے۔"

"خدا کے لیے خاموش رہو تم' میری بات غور سے سنو صفیہ! جب کنزیٰ کی وہ حالت ہوئی تھی تو اس کے اس رویے سے میرے ذہن میں بھی یہی خیال آیا تھا اور میں نے بہت تفصیل سے سوئی سے یہ سب ڈسکس بھی کیا تھا اور ہو سکتا ہے کہ یہ سب درست بھی ہو۔ بہرحال اس بات سے انکار نہیں ہے کہ انسانی دماغ بہت ہی عجیب اور ناقابل بیان شے ہے۔" شمعون بہت ٹھہر ٹھہر کر دونوں کو دیکھتے ہوئے بول رہا تھا۔ صفیہ کی تیوری بگڑ گئی۔

"صد افسوس کہ اپنی بہنوں کے بارے میں اتنی چھوٹی سوچ ہے تم لوگوں کی۔ میں تم دونوں سے زیادہ سمجھتی ہوں دونوں کو' ان کی سوچ کو' ان کے دماغ کو۔"

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے خوبصورت ناول

کسی راستے کی تلاش میں

میمونہ خورشید علی

قیمت -/350 روپے

منگوانے کا پتہ

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37, اردو بازار، کراچی

فون نمبر:
32735021

وہ غصے سے کہتی سامنے لگی کرسیوں پر جاکر بیٹھ گئی۔

نیند آور ادویات کا اس پر کوئی اثر نہ ہوا تھا۔ اتنی گولیاں پھانک کر بھی اسے نیند نہ آئی تھی۔ وہ ساری رات بستر پر لیٹی بغیر ہم کلام ہوئے چھت کو گھورتی کچھ تلاشتی رہتی۔ وہ باری باری جاگ کر اس کی دیکھ بھال کرتیں۔

اس کی منگنی کا دن آکر گزر بھی گیا تھا۔ کسی کے نام کی انگوٹھی پہننے کے بجائے کالی قسمت کی چادر اس کے مقدر نے اوڑھ لی تھی۔ منگنی سے پچھلے روز ہی اس کی رپورٹس آئی تھیں۔ ارباب نے فون پر ہی بتایا تھا کہ ڈاکٹر کے مطابق اس کی تمام رپورٹس ٹھیک آئی ہیں۔ جہاں ان کے بہت سے مفروضے بے بنیاد ثابت ہوئے تھے وہاں ڈاکٹر کا خیال اور تجربہ بھی اب انہیں کسی حد تک درست لگنے لگا تھا۔

☼ ☼ ☼

جس روز اس کی رپورٹس آئی تھیں۔ اسی روز شام میں راحیلہ پھپھو کا فون بھی آگیا تھا۔ سب کی خیریت دریافت کرنے کے بعد انہوں نے سونیا کی طبیعت کا پوچھا تو سکینہ خاتون نے انہیں اطمینان دلایا کہ وہ ٹھیک ہے۔ نہ جانے انہیں کہاں سے سُن گُن مل گئی تھی کہ ابھی سکینہ خاتون اسی بات پر حیران ہورہی تھیں کہ راحیلہ کے اگلے الفاظ پر وہ گنگ سی رہ گئیں۔

"سنا ہے بھابھی بیگم کہ سونیا پر کوئی سایہ ہو گیا ہے۔ کب سے ہے یہ سب؟ ہم سے کیوں چھپایا گیا؟" انداز تفتیشی تھا۔ سکینہ خاتون تو حق دق ہی رہ گئیں کہ خاندان میں یہ بات کیسے پھیل گئی۔

"نہیں راحیلہ! ایسی تو کوئی بات نہیں ہے، بس موسمی بخار تھا ذرا۔ اب تو وہ بہتر ہے کافی۔ اور بھلا ایسی کوئی بات ہوتی تو ہم تم سے کیوں چھپاتے۔ تم پھوپھی ہو اس کی۔" سکینہ خاتون کی آواز میں لرزش تھی، جسے راحیلہ صاف محسوس کرگئی تھیں۔

"رہنے دیں بھابھی! پورے خاندان میں بات پھیل گئی ہے۔ اتنے بھی بے خبر نہیں ہیں لوگ، نہ ہی اتنے بے وقوف جتنا آپ نے سمجھ رکھا ہے۔ جب چاند چڑھتا ہے نا تو سب دیکھ ہی لیتے ہیں۔ کیا موسمی بخار کے لیے آپ لوگ سونیا کو لے کر ماہر نفسیات کے پاس لاہور آئے تھے۔ معاف کیجیے گا بھابھی بیگم جہاں رشتے جوڑنے ہوتے ہیں وہاں ایسی باتیں چھپائی نہیں جاتیں۔" سکینہ خاتون ان کے کٹیلے لہجے پر خاموش سی ہو گئیں۔ اب انہیں کیا بتاتیں کہ رشتہ طے کرتے وقت ایسا کچھ تھا ہی نہیں۔ اور ابھی تک تو وہ لوگ خود بھی ٹھیک سے سمجھ نہیں پارہے کہ سونی کے ساتھ مسئلہ کیا ہے۔ تو وہ کسی اور کو کیا بتاتے۔

"معاف کردیجیے گا بھابھی بیگم! بھائی اور ان کی اولاد لاکھ عزیز سہی مگر آنکھوں دیکھی مکھی بھلا کون نگلتا ہے۔ سوچا تھا کہ بھائی کے گھر رشتہ جوڑوں گی تو اپنے رشتوں سے جڑی رہوں گی مگر ایسے رشتے کا فائدہ، جس میں پہلے کے تعلقات بھی کیا خراب ہوجائیں۔ کل میں ڈرائیور کو بھجوادوں گی۔ منگنی کا جوڑا اور زیورات بھجوا دیجیے گا بس۔ باقی جوڑے بچیوں کو دے دیجیے گا ان کی ضرورت نہیں ہے مگر زیورات اور منگنی کا جوڑا میں نے بڑے ارمانوں سے خریدا ہے۔ اس پر میری بہو کا ہی حق ہے۔" سکینہ خاتون کے دل میں پھانس چبھی تھی۔ راحیلہ فون رکھ چکی تھیں جبکہ وہ ریسیور اٹھائے دکھ اور بے یقینی کی کیفیت میں کھڑی کچھ بھی سوچنے کی صلاحیت سے محروم ہو گئی تھیں۔ جس روز اس گھر میں خوشی کی رسم ہونا تھی۔ اس روز ماتم بچھ گیا۔ گھر کے سب مکین یوں ایک دوسرے سے نظر بچاتے جیسے اس سب میں انہی کا قصور ہو اور سکینہ خاتون چپ چاپ گھر کے کام نمٹاتی، چھپ چھپ کر آنسوؤں کو چادر سے پونچھتی رہتی تھیں اور ایک وہ تھی خاموش تماشائی کی مانند سب دیکھتی اور کچھ نہ کہتی۔

اس دن کے بعد سے سکینہ خاتون کے دل پر یہ جملہ ثبت ہو گیا کہ سونیا پر سایہ ہے۔ برابر والی مقبول خالہ سے کہہ کر انہوں نے ایک کراماتی بزرگ سے بڑے

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

مہنگے تعویذ منگوائے تھے جو وہ روز صبح و شام پانی میں گھول گھول کر اسے پلاتیں مگر اتنی مہنگی دواؤں اور تعویذوں کا بھی اس لڑکی پر چنداں اثر نہ ہوتا۔ یونہی گم صم سی پورا دن بیٹھی رہتی۔ کسی سے کوئی بات نہ کرتی۔ اسکول جاتا تو اس نے دو ہفتے قبل ہی چھوڑ دیا تھا۔ محلے کی کسی بزرگ خاتون نے سکینہ خاتون کو کسی دور افتادہ مقام پر کسی "بابا" کا بتایا تھا جو دم کرتے اور آسیب کو قابو میں کرنے کا گر جانتے تھے۔ سکینہ خاتون نے بابر سے بات کی کہ اس جمعہ وہ ان کے ساتھ سونیا کو لے کر اس "بابا" کی حاضری دے تو بابر ان پر الٹ پڑا۔

"خدا کا واسطہ ہے اماں! آپ کن چکروں میں پڑ گئی ہیں۔ اسے ذہنی سکون کی ضرورت ہے۔ علاج چاہیے اسے۔"

"تو کھلا نہیں چکے دوائیوں کے پھکے آرام آتا ہوتا تو آجاتا۔ پوری پوری رات بدروحوں کی طرح بولائی بولائی کمرے کے پھیرے لیتی اور چمگادڑ کی طرح ساری ساری رات جاگتی ہے۔" بابر گہری سانس لے کر رہ گیا۔

"تعویذ گنڈے تو آپ بھی آزما چکی ہیں کیا فرق پڑا۔"

"وہ ڈھونگی تھا نامراد پیسے بٹور کر تعویذ دینے والے کے ہاتھ میں بھلا کہاں شفا ہوگی۔ یہ بابا تو فی سبیل اللہ دم کرتے ہیں۔" بات تو ان کے دل کو لگی لیکن فوراً بول پڑیں۔

"اماں! آسیب یوں نہیں ہوا کرتا کوئی آثار بھی تو دکھیں نا آسیب کے۔" بابر نے سمجھانے کی کوشش کی۔

"کہتے ہائے تو ہو سکتا ہے کسی نے کوئی تعویذ کروا لیے ہوں بلکہ ہو نہ ہو اس "ببلو" نے ہی کچھ کروایا ہوگا محلے بھر یاد نہیں جان کو آگیا تھا کہ رشتہ کر کے ہی دم لوں گا۔ کتنی بار انکار کیا مگر ہر دوسرے روز محلے کے کسی بڑے کو سرپرست بنا کر بجھوا دیتا تھا۔ آخر میں کیا کہا تھا اس لوفر نے کہ اگر مجھ سے شادی نہیں کی گئی تو کسی اور سے بھی نہ ہونے دوں گا۔ ارے تھا تو چوڑے جیسے دل کا مالک اتنا دم خم کہاں تھا کہ کچھ کرتا اس لیے یہ اوچھے ہتھکنڈے اپنا لیے ہوں گے اس ناس پیٹے نے۔ مری ہوئی چھپکلی جیسی شکل تھی نابنجار کی۔"

بابر سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ محلے کے جس لڑکے کا وہ ذکر کر رہی تھیں اسے لندن گئے ہوئے بھی سات ماہ ہو چکے تھے۔ یہ سچ تھا کہ اس نے سونیا کے لیے بارہا رشتہ بجھوایا تھا مگر کسی کام دھندے کے نہ ہونے کے باعث عبدالغنی اس رشتے کو بری طرح مسترد کر چکے تھے۔ ویسے بھی سات سمندر پار سے اسے کوئی اور کام نہ تھا سوائے تعویذ کروانے کے۔ اب تک تو شاید وہ بھول بھال گیا ہوگا۔

بابر نے سوچتے ہوئے وہاں سے جانے میں ہی عافیت جانی کہ اب سکینہ خاتون جو شروع ہو چکی تھیں تو "ببلو" کی اگلی پچھلی سات پشتوں کے وہ لتے لیں گی کہ انہیں بخشوا کر ہی دم لیں گی۔

☼ ☼ ☼

وہ صحن کے وسط میں لگے پیپل کے درخت سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ کوئی جانتا بھی نہ تھا جو اس کے ساتھ ہو رہا تھا۔ آنکھوں میں اترتی نمی کو اس نے تیزی سے پونچھ ڈالا۔

اسے بڑی شدت سے بدبو آنے لگی تو یک دم احساس ہوا کہ پچھلے ڈیڑھ ہفتے سے وہ نہائی تک نہ تھی۔ پانی سے خوف آنے لگتا تھا۔ تب ہی اسے کسی کے ہونے کا احساس ہوا۔ رخ موڑ کر دیکھا تو صفیہ برابر میں ہی بیٹھی تھی۔ اس نے پھر سے نگاہیں جھکا لیں۔

"یہاں کیوں بیٹھی ہو اکیلے؟"

وہ خاموش رہی۔

"اب آگے کا کیا سوچا ہے؟" اس نے شکوہ کناں نگاہوں سے صفیہ کو دیکھا۔ کیا اب بھی "آگے" کچھ تھا جس کے بارے میں مزید سوچنا باقی تھا؟ ایک تلخ مسکراہٹ اس کے لبوں پر ابھر کر معدوم ہوئی تھی۔

"راحیلہ پھپھو نے رشتے سے انکار کیا تو تمہیں افسوس نہیں ہوا؟" اب وہ اسے کیا بتاتی کہ اس کی انا پر

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

کیسے ضرب پڑی ہے۔ کیسے اس کی عزت نفس کو مجروح کیا گیا ہے۔ وہ خاموشی سے ہاتھوں کو مسلتی رہی۔

"اس سے کہیں زیادہ بہتر تھا کہ تم خود انکار کردیتیں۔"

"انکار کی کوئی وجہ تو ہوتی بلاوجہ انکار کردیتی؟" پہلی بار وہ اس طرح سے بولی تھی۔

"انہوں نے بھی بلاوجہ انکار نہیں کیا؟"

"بلاوجہ کہاں؟ انہوں نے بالکل ٹھیک انکار کیا ہے۔" اس نے فوراً" تردید کی۔

"ویسے کیا رکھا ہے اس شادی میں۔ نری دردسری ہے۔ کنزیٰ نے ٹھیک کیا تھا۔ تمہیں بھی یہی کرنا چاہیے تھا۔ میں تو کہتی ہوں اب جو بھی رشتہ آئے تم انکار کردینا۔ لوگ تمہیں مسترد کریں اس سے پہلے تم انہیں مسترد کردو۔" اس نے اچنبھے سے صفیہ کی جانب دیکھا جو عجیب طریقے سے مسکرا رہی تھی۔

"یہ تم کہہ رہی ہو؟" اسے یقین نہ آیا تھا۔

"غلط کیا کہا ہے؟" اسے صفیہ کی مسکراہٹ سے بہت الجھن سی ہورہی تھی۔ ابھی وہ اس ادھیڑبن میں تھی کہ کسی نے اسے برآمدے سے پکارا تھا۔ اس نے مڑ کر پیچھے دیکھا تو اسے بری طرح کرنٹ لگا۔ دور برآمدے سے اسے پکارنے والی کوئی اور نہیں "صفیہ" تھی۔ ایک جھٹکے سے وہ مڑی تو اس کی ریڑھ کی ہڈی میں ایک شدید لہر دوڑ گئی۔ اس کے برابر میں اب صفیہ نہیں تھی۔ وہ جگہ خالی تھی۔

اس کا دل اچھل کر حلق تک آگیا۔ تیر کی طرح وہ الٹے قدموں سے وہاں سے بھاگی اور برآمدے تک پہنچ کر پھر سے اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔

☼ ☼ ☼

اور پھر اگلے ہی روز سونیا پچھلے صحن میں گھاس پر بے ہوش پائی گئی تھی۔ مغرب کا وقت تھا۔ کنول اور ثوبیہ نے اسے کچے صحن کے اس حصے میں بے خبر پایا تھا۔ ٹھنڈے پانی کے چھینٹے دیے تو کہیں جاکر ہوش آیا۔ سو وہ بخار میں تپ رہی تھی۔

"اس گھر میں تو جیسے دیکھو نکما ہے' نرا نکھٹو۔ کوئی کام دو تو بھاگتا ہے۔ میں بھی رانی' تو بھی رانی کون بھرے پنگھٹ سے پانی۔ بڑا دیکھو تو ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنائے بیٹھا ہے۔ چھوٹا اپنی منطق گھڑے بیٹھا ہے۔"

ٹھنڈے پانی کی پٹیاں سونیا کے ماتھے پر رکھتے وہ اونچا اونچا بولتے سب کو سنا رہی تھیں۔ وہ روز سے سونیا بخار میں تپ رہی تھی۔ سکینہ خاتون کو بڑا قلق تھا کہ بابر انہیں لے کر کہیں گیا سونیا کو دم کرانے تب ہی بچی کی یہ حالت ہوگئی۔ بابر باہر برآمدے میں کان لپیٹے چائے پی رہا تھا۔

"ارے بچی کی جان لبوں کو آگئی مگر اس کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ کیا جاتا جو دم کرانے لے جاتا۔ اللہ کا کلام ہی ہے ناشفا ہی ہوگی۔ پوچھتے پوچھتے تو خدا کا گھر بھی مل جاتا ہے مگر نہیں جی ماں بکتی جھکتی رہے۔ بیچ کہیں بلی تو ہاں میاں بلی ہی سہی۔ اپنی کرلوب اکیا دکھا دو اس بڑھیا کے خلاف۔" وہ سخت بھری بیٹھی تھیں۔

"بھابھی بیگم! چھوڑیں شمعون لے جائے گا۔" فرحت بہار از راہ ہمدردی بولیں تو سکینہ خاتون اس پر چڑھ دوڑیں۔

"آئے ہائے تو گدھی کمہاری' تجھے رام سے کیا کام؟ شمعون سے کیوں کہہ دوں کان پکڑی باندی ہے وہ کیا؟ اپنا بھائی کیوں نہ لے کر جائے اس کل۔" باہر برآمدے میں بابر کے قریب بیٹھی پریشان صورت لڑکیوں نے سرخ پڑتا چہرہ لیے بابر کی جانب سر اٹھا کر دیکھا جو پہلو بدل کر رہ گیا تھا۔ سکینہ خاتون غصے میں جب بھی آتیں سب کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکتیں اسی لیے فرحت بہار نے برا مانے بغیر خاموش رہنے میں ہی عافیت جانی۔

"سونی ہماری بھی بچی ہے بھابھی بیگم! کیا فرق پڑتا ہے شمعون لے کر جائے یا بابر' دونوں ہی بھائی ہیں

اس کے۔ وہ آج آتا ہے تو میں اس سے کہتی ہوں بلکہ میں خود جاؤں گی اس کے ساتھ آپ فکر مند مت ہوں۔ اللہ سب بہتر کرے گا۔"

بختیار بیگم نے اندر آتے ہوئے بڑے رسان سے کہا تو سکینہ خاتون تاسف سے سر ہلا کر رہ گئیں۔

"دو انڈے' دونوں ہی گندے۔" "یار کچھ کہنے ہی لگا تھا کہ عطیہ نے اسے ہاتھ پکڑ کر روک لیا۔

"اس وقت کچھ مت کہنا یار۔ وہ غصے میں ہیں جب وہ کہہ رہی ہیں تو لے جاؤ نا سونی کو دم کرانے۔" وہ میز پر کپ دھرتے ہوئے بے بسی سے محض لب بھینچ کر رہ گیا۔

☼ ☼ ☼

وہ بت بنی اس کے سامنے لبوں پر قفل لگائے بیٹھی تھی۔ وہ پوچھ پوچھ کر تھک گیا تھا مگر پتھر کا بت' بت ہی رہا اس میں کوئی جنبش نہ ہوئی۔

"خدا کا واسطہ ہے سونیا! کچھ تو بولو یار کہ کیا مسئلہ ہے؟ مجھ سے تو شیئر کرو۔ بھائی سمجھ کر نہ سہی۔ کزن سمجھ کر ہی سہی' دوست سمجھ کر ہی سہی۔" وہ زچ ہو گیا تھا۔

وہ تین روز بعد بخار کے اثر سے باہر آئی تھی اور اس دوران سب ہی اس کے لیے متفکر تھے۔ آج وہ دکان سے سیدھا اندر اس کے کمرے میں گیا تھا جہاں سب باتوں میں مگن تھیں اور وہ خالی الذہنی ـــــ کسی غیر مرئی نقطے کو گھور رہی تھی۔ تب ہی وہ سب کے درمیان سے اسے ہاتھ پکڑ کر گھسیٹتا باہر کی جانب چلا۔ ان سب نے حیرت سے اس منظر کو دیکھا اور غزالہ ہی عطیہ نے کچھ کہنے کو لب وا کیے' اس نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک دیا۔

"کوئی ہمارے پیچھے نہ آئے اور نہ ہی کوئی سوال کرے۔" سب وہیں دبک گئی تھیں۔ آج تک کسی نے بھی اسے اس روپ میں نہ دیکھا تھا۔ اس نے اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی تھی مگر اس کی گرفت مضبوط تھی۔

وہ اسے گھسیٹتا ہوا صحن کے پچھلے حصے میں لے آیا تھا۔ اسے آج سونیا سے دو ٹوک بات کرنا تھی۔ اسے اعتماد میں لے کر تمام راز جاننے تھے۔

"میں پاگل نہیں ہوں شمعون۔" ٹوٹ ٹوٹ کر یہ الفاظ اس کے لبوں سے نکلے تو وہ واقعتاً چونکا تھا۔

"ہاں تم پاگل نہیں ہو پھر؟" اس نے تائید کر کے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"میرا کوئی الوژن بھی نہیں ہے۔"

"ہاں نہیں ہے پھر؟" وہ اسی انداز میں گویا ہوا تو وہ زچ ہو گئی۔

"مجھے کوئی ڈپریشن بھی نہیں ہے۔" اس کی آنکھیں شفاف پانیوں سے لبریز ہو گئیں۔

"تو پھر کیا پرابلم ہے؟"

"تم یقین کرو گے میری بات کا؟" اس نے مضمحل لہجے میں سوال کیا تو وہ محض سر اثبات میں ہلا کر رہ گیا۔

"مگر کیا ثبوت ہے کہ تم شمعون ہی ہو' تمہیں سب بتادوں اور تم بعد میں قہقہے لگا کر مجھے تضحیک کا نشانہ بناؤ' ہاں۔" وہ زہر خند ہوئی تو وہ حیران پریشان سے اسے دیکھ کر رہ گیا۔

"کیا مطلب ہے کہ میں شمعون نہیں ہوں؟"

"میرا یقین کرو شمعون! یہ میرا الوژن نہیں ہے۔ میں پاگل نہیں ہوں۔ مجھے کوئی ڈپریشن نہیں ہے۔ میں سچ کہہ رہی ہوں۔ مجھے نہیں پتا وہ کون ہے۔ لیکن اس نے میری زندگی دوبھر کر رکھی ہے۔ کبھی وہ ماریہ کے روپ میں آتا ہے تو کبھی منیبہ کے۔ مجھے تو ڈر لگتا ہے اب اپنی ہی بہنوں سے' اپنے ہی پیاروں سے کہ کہیں وہ بہروپیا ہی نہ ہو۔ مجھے تم سے اس وقت خوف محسوس ہو رہا ہے کہ تم بھی کہیں۔" ٹپ ٹپ آنسو اس کی گود میں دھری ہتھیلی پر گر رہے تھے۔

"وہ کہتا ہے مجھے کہ وہ کبھی بھی میری شادی نہیں ہونے دے گا۔ کبھی میری شادی نہیں ہوگی۔ وہ میرا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔ وہ میرا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔"

وہ کہتے ہوئے اپنی آنکھوں کو رگڑ رگڑ کر صاف کرنے لگی۔ شمعون سناٹے میں آگیا تھا۔

"کوئی بھی اتنا بااختیار نہیں ہو سکتا۔" وہ جیسے بڑی دقت سے گویا ہوا۔

"وہ ہے شمعون! میں نے دیکھا ہے اسے کہ وہ اتنا ہی طاقتور ہے۔" وہ کسی ضدی بچے کی طرح اس کے قدموں میں بیٹھ کر اس کے گھٹنوں پر ہاتھ دھرتے ہوئے بولی تو شمعون نے نرمی سے اس کے ہاتھ تھام لیے۔

"تم نے کیا اسے خدا سے بھی زیادہ بااختیار پایا ہے سونی؟ کیا مخلوق خالق سے زیادہ بھی بااختیار ہو سکتی ہے بھی؟" وہ محض ٹکٹکی باندھے اسے دیکھ کر رہ گئی بولی کچھ بھی نہیں۔

"اللہ کی کوئی بھی مخلوق محض اتنا ہی اختیار رکھتی ہے جتنا کہ اللہ چاہتا ہے۔ اس سے زیادہ نہیں۔ اگر یہ تکلیف اسی طرح سے اتنی ہی تمہارے مقدر میں لکھ دی گئی ہے تو وہ تمہیں مل کر رہے گی۔ مگر اس سے زیادہ نہیں۔" وہ نا پلک جھپکے اسے دیکھے گئی۔

"تمہیں یقین تو ہے نا میری بات پر؟" وہ اس کا ہاتھ تھامے آنکھوں میں واضح سوال لیے ہوئے بولی۔ وہ کیا بتاتا کہ وہ ششدر ہی تو رہ گیا تھا۔ اس حقیقت کے سامنے آنے پر۔ الفاظ کچھ کہنے کے لیے آپس میں گڈمڈ ہو چکے تھے اور ذہن تھا کہ سوچنے سے قاصر۔

"ہاں سونی! مجھے یقین ہے۔" اس نے بمشکل خود کو کہتے پایا تھا۔ "اب اندر چلتے ہیں اور تم کسی سے بھی اب اس بات کا ذکر مت کرنا۔ میں دیکھتا ہوں کہ میں اپنے طور پر کیا کر سکتا ہوں۔" وہ پرسوچ نگاہوں سے زمین کو تکتے ہوئے بولا۔

"تم کیا کرو گے؟ تم کچھ کر سکتے ہو؟" وہ بڑی بے قراری سے اس کی طرف بڑھی۔

"کرنے والی ذات اللہ کی ہی ہے سونی۔ اس کے سوا کسی سے امید لگانا بھی نہیں چاہیے۔ اس کی ذات کا سہارا ہی اصل سہارا ہے۔ انسان کی ذات کا سہارا بھی انسان کی طرح ہی عارضی ہوتا ہے۔ بہرحال کوشش شرط ہے اور میں کوشش ضرور کروں گا۔ خدا نے دیگر مخلوقات کے مقابلے میں انسان کو اشرف المخلوقات بنایا اور رہنمائی کے لیے انبیا اور صحیفے اتارے۔ تو ہم اس کی کسی مخلوق کے آگے بے بس کیوں ہو جائیں۔"

اس نے محبت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور آگے بڑھ گیا۔ وہ خاموشی سے اس کی چوڑی پشت پر دیکھتی رہی۔ کبھی کبھی کسی ایک انسان سے ساری باتیں کر لینا دل کو کتنی تقویت دیتا ہے۔ وہ یکدم ہلکی پھلکی ہو گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

ایک چھوٹا بچہ جس کی عمر لگ بھگ نو سال ہو گی اسے برآمدے سے ملحقہ صاف ستھرے کشادہ کمرے میں لے آیا جو گھر کے باقی حصے سے قدرے ہٹ کر تھا۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی ایک مسحور کن خوشبو نے اس کا استقبال کیا۔ کمرے کی داہنی دیوار "دیوار گیر الماری" سے مکمل ڈھکی ہوئی تھی۔ الماری میں دنیا جہاں کی بیش بہا کتب بڑے سلیقے سے مرتب کی گئی تھیں۔ جو یقیناً "پڑھنے والے کے ذوق کی غماز تھیں۔ بائیں جانب کی دیوار پر سنہری رنگ کی روشنائی سے جلی حروف میں بڑے خوب صورت انداز سے آیت الکرسی لکھی گئی تھی۔

اس پر چھایا طلسم ٹوٹا تھا۔ جب سامنے دروازے پر آہٹ ہوئی اور ایک باریش بزرگ نمودار ہوئے۔ وہ تعظیم کے طور پر آگے بڑھا تو انہوں نے فوراً "ہاتھ آگے مصافحے کی غرض سے بڑھایا۔

"السلام علیکم برخوردار! میں عبدالرحیم ہوں۔" ان کا ہاتھ تھامتے وہ خفیف سا سر کو جنبش دیتے ہوئے بولا۔

"وعلیکم السلام میاں جی! میں سرگودھا کے ایک قصبے سے آیا ہوں۔ میرا نام شمعون ہے۔" ان کا ہاتھ اس کے دونوں ہاتھوں میں مقید تھا۔

"میاں جی... مطلب کسی جاننے والے نے بھیجا ہے تمہیں اور کسی خاص مقصد کے حصول کے لیے

آئے ہو۔" اس کے میاں جی کہنے پر ہی یقیناً" انہوں نے اندازہ لگایا تھا۔

"جی میاں جی! ایک دوست نے آپ کا پتا یا تھا۔" محسن اس کے ساتھ والی دکان کے مالک کا بیٹا اور اس کا قریبی دوست تھا۔ جس نے اسے یہاں بھیجا تھا۔

"ہوں... بیٹھو۔" وہ دونوں وہیں گاؤ تکیے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ وہ خاموشی سے ان کے سامنے بیٹھا دیوار پر لکھی آیت الکرسی کو تک رہا تھا۔ اس کی نظروں کے تعاقب میں انہوں نے نظریں دوڑائیں تو وہ فوراً پوچھ بیٹھا۔

"یہ اتنے اچھوتے انداز میں آیت الکرسی کس نے لکھی ہے؟"

"جو چیز بذات خود خوب صورت ہو گی اسے کسی بھی رنگ میں ڈھال دو تو وہ خوب صورت ہی دکھتی ہے۔ اللہ کے کلام کا تو بڑا حق ہے ہم پر کہ اسے خوب صورت انداز میں پیش کیا جائے۔" وہ مسکرائے۔

"تم بتاؤ کیسے آنا ہوا؟" بہت دھیمے انداز میں کہتے ہوئے اسے ہی دیکھ رہے تھے۔

"میاں جی! میری بہن... وہ بہت بیمار ہے۔ مجھے سرگودھا شی سے محسن خالد نے آپ کے پاس بھیجا ہے۔ سنا ہے کہ آپ روحانی علاج بتاتے ہیں اور آپ کی دعائیں بھی قبول ہوتی ہیں۔ ہمارے گھر میں اس وقت بڑی پریشانی ہے۔ ہمارے لیے بھی دعا کر دیجیے۔" وہ دوزانو بیٹھا بڑے ادب سے مخاطب تھا۔

"دعا تو تمہاری بھی قبول ہوتی ہے۔ انسان جتنی لگن سے اپنے لیے دعا کرتا ہے کوئی اور اس کے لیے نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ سب کی سنتا ہے۔ بس ہمیں دعا مانگنے کا سلیقہ آنا چاہیے۔"

"میاں جی! کوئی تو بتائیں۔ کوئی علاج، کوئی وظیفہ؟"

"علاج تو تمہارے گھر کے کسی طاقچے میں سجا ہو گا۔ جاؤ جا کر کھنگوا لو۔"

"کیسا علاج؟" وہ نا سمجھی سے گویا ہوا۔

"اللہ کے ہاں حاضری لگاتے ہو؟" بڑی آسودہ سی مسکراہٹ تھی ان کے چہرے پر۔ وہ نظر نہ ہٹا سکا۔ کچھ دیر وہ ان کے سوال پر غور و خوض کر کے بڑے رسان سے بولا۔

"کبھی کبھی حاضری دے دیتا ہوں مگر باقاعدگی سے نہیں۔" اس کی صاف گوئی پر ان کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔ "چلو اتنے بھی کچے نہیں ہو۔ آہستہ آہستہ سمجھ جاؤ گے اس کے حضور حاضری دیتے رہا کرو۔ حاضری دو گے تو ہی اس کی نظروں میں اٹھ سکو گے۔"

"کیا اب میں اس کی نظروں سے دور ہوں؟"

"نظر تو اسے ذرے کا ذرہ بھی آتا ہے۔ جب انسان الیکٹرون، پروٹون کے بھی سب پارٹیکلز تک جا پہنچا ہے اور اس نے لیپٹانز، بیونز اور کوارکس نکال لیے ہیں تو بنانے والا کیا نہ جانے گا؟ اس کے علم میں بھلا کیا نہیں ہے؟ مگر علم ہونا الگ بات ہے اور اس کی نظر میں آ جانا الگ بات۔ اس کے علم میں نہیں اس کی نظر میں آنے کی سعی کرو۔" وہ ہونق بنا انہیں تکنے لگا۔

"میاں جی! اس کی نظر میں تو مقرب ہی آتے ہیں ہم جیسے کہاں؟"

"مقرب تو انسان کے اعمال اسے ٹھہراتے ہیں۔ جتنی روح پاکیزہ ہو گی اتنی مقرب ہو گی۔ اور روح کی پاکیزگی اعمال و افعال پر منحصر ہے۔ مقرب وہ نہیں جو خود کو خدا کے قریب محسوس کرے، مقرب تو وہ ہے میاں جسے خود اللہ اپنے سے قریب کر لے۔ خدا کے قریب ہونا کیا ہوتا ہے جانتے ہو؟" اس کی اپنے وجود پر گڑی نظروں میں جھانک کر انہوں نے پوچھا تو اس نے بے ساختگی سے نفی میں سر ہلا ڈالا۔

"جو شخص مخلوق کے دلوں میں بس جائے خالق اسے خود ہی نظروں میں بسا لیتا ہے۔ لیکن مخلوق کی نظروں میں سمانا ہی تو آسان نہیں ہے۔ بڑی جان مارنا پڑتی ہے۔ اپنا آپ مارنا پڑتا ہے اس کے بندوں کے لیے، رحمٰن کو منانا تو آسان ہے مگر عبدالرحمٰن کو منانا بڑا ہی مشکل کام ہے۔ اصل راستہ ہی رحمٰن تک عبدالرحمٰن سے ہو کر جاتا ہے۔ عبادت جنت تک لے جائے گی اور خدمت اللہ سے ملا دے

گی۔" تھوڑے سے مسکرا کر انہوں نے خود ہی موضوع بدل ڈالا۔

"خیر چھوڑو' گھر جاؤ اور روزانہ اونچی آواز سے گھر کے کسی گوشے میں سورہ بقرہ پڑھوا لگا دو۔ اتنی اونچی کہ گھر کے ہر ہر کونے تک آواز جائے۔ یوں تو سورہ بقرہ کے بارے میں بہت سی احادیث ہیں' مگر ایک اہم حدیث سنائے دیتا ہوں' جس پر یقین واثق کبھی ناکام نہ ہونے دے گا کہ جس گھر میں سورہ بقرہ پڑھی جائے وہاں سے شیطان بھاگ جاتا ہے' روزانہ یہ عمل کرو جب تک اثرات زائل نہ ہو جائیں اور یقین رکھو کہ اللہ کے کلام میں بڑی شفا ہے۔" اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"میاں جی! آپ کی دعا بھی چاہیے۔"

"برخوردار جتنا تم خود اپنے گھر والوں کے لیے دعا کر سکتے ہو یا وہ بچی خود اپنے لیے اتنی خلوص نیت سے کوئی دوسرا نہیں کر سکتا۔"

"مگر ہماری دعاؤں میں اثر کہاں ہے؟" اس نے یاسیت سے کہتے ہاتھ ملے۔

"یقین کے ساتھ کرو گے تو قبول ہو گی' بددل کی دعا قبول نہیں ہوتی۔"

"میاں جی! یقین کے ساتھ ہی کرتے ہیں' مگر پھر بھی نہ جانے کیوں اثر نہیں آتا۔"

"سارا کھیل ہی زبان' دماغ اور دل کے تال میل کا ہے۔ زبان اور دماغ کے بجائے دل اور زبان کا امتزاج استعمال کرو۔ سب سے بہتر یہ ہے کہ دل میں یقین پیدا کرو۔"

"میں پوری کوشش کروں گا کہ یقین اور دل سے دعا مانگوں۔" وہ بڑی سعادت مندی سے کہتے اٹھ کھڑا ہوا۔

"میاں! ہم راہ دکھا سکتے ہیں' اس سے زیادہ کسی بندے سے امید لگانا بھی غلط ہے۔ کوشش کرو جو مدد کرنے والی ذات ہے اس کی طرف پلٹو۔ اس بچی سے کہنا معوذتین پڑھے اور پڑھتی رہا کرے۔ مگر یقین کے ساتھ' دل کے ساتھ' زبان سے نہیں۔" اس نے اثبات میں سر ہلاتے اجازت طلب کی تو وہ بڑی بشاشت سے بولے۔

"جیتے رہو میاں' کہاں چل دیے؟ گھر آئے مہمان یوں نہیں چل دیتے۔ کچھ ہمیں بھی میزبانی کر کے نیکیاں کمانے کا موقع دو۔" انہوں نے اسے کھانے تک روک لیا تھا۔ کھانا کھا کر وہ ان سے رخصت لیتا شام تک گھر لوٹ آیا تھا۔

اس نے گھر آ کر سکینہ خاتون سے کہا تھا کہ وہ روزانہ سورہ بقرہ کی تلاوت کریں۔ سونیا سے اس نے کچھ نہیں کہا تھا۔ خاموشی سے برآمدے کے ایک کونے میں میز رکھ کر ڈیک لگا دیے تھے۔ وہ شام میں دکان سے لوٹ کر اونچی آواز سے سورہ بقرہ کی قرات لگا دیتا۔ سونیا خاموشی سے ڈھائی گھنٹے بڑے انہماک سے قرات سنتی رہتی۔ آہستہ آہستہ اسے لگنے لگا تھا کہ وہ پھر سے معمول کی جانب لوٹ رہی ہے۔ اس کا خوف اور بے یقینی رفتہ رفتہ زائل ہونے لگ گئے تھے۔ وہ چھلاوہ جو اسے کسی نہ کسی روپ میں دکھتا تھا۔ یکدم اس کی زندگی سے غائب ہو گیا تھا۔

یقین جیتا تو شر بھاگ گیا۔ وہ آسودہ تھا۔ گھر آسودہ تھا۔ کتنا آسان تھا شر کو بھگانا۔ بس یقین اور ایمان کو ہی تو پختہ کرنا تھا۔

چند روز میں ہی اس نے سونیا کی شخصیت کے ساتھ ساتھ اپنی شخصیت میں بھی واضح فرق محسوس کیا تھا۔ پھر بھی بہت سارا سفر ابھی باقی تھا جسے تمام ہونا تھا۔

"شمعون! کیا تم اسے ہمارے امتحان کے بعد نہیں چلا سکتے۔ کچھ دن کے لیے موقوف کر دو' جب تک ہمارے ایگزامز ختم نہیں ہو جاتے۔" اس روز کنزی نے شدید کوفت میں مبتلا اسے تب ٹوکا جب وہ شام میں دکان سے لوٹتے ہی کیسٹ لگانے لگا تھا۔ اس نے لحہ بھر کو حیرت سے بہن کو دیکھا جو لب بھینچے کھڑی تھی۔

"شمعون! اب میں بالکل ٹھیک ہوں۔ تم کچھ دن اسے مت چلاؤ۔ بعد میں لگا لیا کرنا۔" سونیا کو اس کی حمایتی کے روپ میں دیکھ کر اسے اور بھی حیرت ہوئی

اور پھر غصے سے کیسٹ وہیں رکھ کر وہ بولا۔

"جو لوگ اس وقت کے انتظار میں ایک ایک پل گزاریں کہ کب قرآن کی تلاوت ختم ہوگی اور وہ دنیا کے کام نپٹائیں گے۔ وہ لوگ کبھی کلام اللہ سے مستفید نہیں ہو سکتے۔"

پھر وہ وہاں رکا نہیں تھا۔ جب سے وہ میاں جی سے مل کر آیا تھا بہت سی تبدیلیاں سب نے محسوس کی تھیں۔ وہ پہلے کی نسبت سنجیدہ ہو گیا تھا اور اس نے باقاعدگی سے نماز پڑھنا شروع کر دی تھی جو اچھی بات وہ خود میں محسوس کرتا تھا وہ یہ کہ اس کا یقین پختہ ہو گیا تھا۔ خدا کی ذات سے یقین اور خدا کی ذات پر یقین۔۔۔ دل کو وہ بہت اوپر لے آیا تھا۔ دماغ سے بھی کہیں اوپر۔ دعاؤں کی ذمہ داری زبان سے ہٹا کر دل کے سپرد کر دی تھی۔ شر سونیا کی زندگی سے بھاگا تھا کہ نہیں مگر اس کی اپنی زندگی سے چھٹتا جا رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

اور اب کتنے مہینوں بعد اسے پھر سے دورہ پڑا تھا۔ وہ بھی تب جب بہت عرصے بعد پھر سے ایک مناسب رشتہ آیا تھا۔ ورنہ تو اس عرصے میں وہ بالکل ٹھیک ہو گئی تھی اور کوئی غیر معمولی واقعہ بھی دیکھنے میں نہ آیا تھا۔

"پھر کہتے ہیں کہ ماں بری ہے' دل میں وسوسے ڈالتی ہے۔ ارے میرے لیے تو دم مارنے کی جگہ نہیں اس گھر میں۔ کوئی کان دھرتا ہے میری کسی ایک بھی بات پر؟ بچی جان سے جا رہی ہے' مگر نہ جی۔ جو بھی رشتہ لے آؤ یہی سب ہو گا۔ ہائے ربا! اتر جاؤ کہ دکن' دل کرم کر کے پچھیں۔"

سکینہ خاتون صحن میں لگے کپڑوں کے ڈھیر میں سے کپڑے نکال نکال کر تہہ کر کے ایک جانب رکھتی بولتی بھی جا رہی تھیں۔ سب ہی گھر پر موجود تھے اور ان کی سسکاریاں خاموشی سے سر لپیٹے سن رہے تھے۔

"مانا کہ آئی ٹلتی نہیں' مگر تدبیر بھی کوئی چیز ہے۔ ایسے ہی بھلا مانس بچہ تھا۔ اسے بھی انہوں نے اپنے رنگ میں رنگ لیا ہے۔ سانو ہاتھوں سے گیا وہ بھی۔"

شمعون کے تو گویا کان ہی کھڑے ہو گئے تھے۔ فوراً" کام کاج چھوڑ چھاڑ صحن میں سکینہ خاتون کی طرف لپکا۔

"نانی اماں! آپ کا خادم حاضر خدمت ہے۔ جو حکم دیں گی سر آنکھوں پر ہو گا کہہ کر تو دیکھیے۔"

"تو بھی کہاں سنتا ہے میری۔" نروٹھے پن سے انہوں نے اس کی جانب سے رخ پھیرا۔

"کیوں نہیں سنتا کہہ کر تو دیکھیں۔"

"اگر یہ بات ہے تو کل تو ہمیں لے چلے گا دم کے لیے۔" اس نے فوراً" ہامی بھری تو وہ محبت پاش نظروں سے اسے دیکھ کر رہ گئیں۔

"بس ٹھیک ہے' پھر کل صبح سویرے گجرات کے لیے نکلیں گے ہم اور دم کرا کر لوٹ آئیں گے۔"

"ہائیں! گجرات؟ اتنی دور جانا ہے میں تو سمجھا تھا کہ یہیں کہیں قریب میں جانا ہو گا۔" وہ ہکلاتے ہوئے بولا۔

"بس بس۔ اتنا بھی دور نہیں ہے۔ یہ دو قدم کا فاصلہ ہے۔ میں نے کہہ دیا ہے اب اور تو نے زبان دے دی ہے۔ کل صبح سویرے نکل پڑیں گے۔ اس سے قبل کہ سورج سوا نیزے پر آ پہنچے۔"

اپنی بات مکمل کر کے وہ رکیں نہیں اور خاموشی سے اپنے کمرے کی جانب چل دیں۔ وہ وہیں کھڑا لاشعوری طور پر پھر سے میاں جی کے متعلق سوچنے لگا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ ایک چھوٹا سا مزار تھا۔ جس کے صحن میں جا بجا برگد کے درخت کے پتے بکھرے تھے۔ ہرے گنبد اور سفید دیواروں پر مشتمل مزار' جس کے احاطے میں لگے برگد کے درخت تلے ایک چوکی پر وہ میلا کچیلا بابا بیٹھا تھا۔ جسے سب سائیں بابا کے نام سے جانتے تھے۔ سکینہ خاتون' بڑی سی چادر میں لپٹی سونیا کو اس کے سامنے بٹھا کر ایک جانب بیٹھ گئیں۔ وہ خود وہیں مزار

کے احاطے میں بنی چار سیڑھیوں میں سے درمیانی سیڑھی پر بیٹھ گیا۔ سائیں بابا ساری بات سن کر کچھ پڑھ پڑھ کر ایک بوتل میں بھرے پانی پر دم کر رہے تھے اور پھر بوتل سکینہ خاتون کی جانب بڑھا کر انہیں تاکید کی کہ روز تین گھونٹ بچی کو پلا کر ایک گلاس پانی بھر کے مختلف کونوں میں چھڑکاؤ کریں گی تو بچی اور گھر پر کرائے' تعویذ اور عمل کے آسیب رفع ہو جائیں گے۔

سکینہ خاتون تو وہاں سے یوں لوٹیں گویا ان کی مراد بر آئی کہ آئی جبکہ سونیا واپسی پر قدرے خاموش تھی۔ اس نے ہلکے سے کھنکار کر اسے مخاطب کیا۔

"کیا بات ہے' کیا دل بھر گیا ہے یہاں آ کر؟"

وہ عجیب سے تپے تپے سے انداز میں مسکرائی۔

"بھر نہیں گیا' بلکہ خالی ہی ہو گیا ہے' بچے کھچے ایمان سے بھی۔"

وہ مزید کچھ بول ہی نہ سکا تھا' پھر۔

کتنے ہی روز وہ اسے پانی پلاتی رہیں' گھر بھر میں چھڑکاؤ کرتی رہیں۔ پھر اسے کچھ ہوا بھی نہ تھا۔ لہٰذا وہ مطمئن تھیں۔

"تائی اماں کیا دم کیا ہے بابا نے اس پانی پر؟" ایک دن وہ یوں ہی پوچھ بیٹھا تھا۔

"میں کیا جانوں کیا دم کیا ہے' کچھ اچھا ہی کیا ہو گا' تب ہی تو افاقہ ہے نا۔" کے اس حد درجے معصومیت اور اعتماد پر پیار بھی آیا اور رونا بھی۔

"واہ تائی اماں! کیا بات ہے آپ کی اتنی سادگی۔" وہ کہے بنا نہ رہ سکا تھا۔ "اچھا اب بس کرو۔ دیوار کے بھی کان ہوتے ہیں۔ ہونٹوں نکلی کوٹھوں چڑھی۔" پانی چھڑک کر وہ اسے سرزنش کرتی چلتی بنیں اور وہ وہیں تاسف سے ہاتھ ملتا رہ گیا۔

☆ ☆ ☆

"ارے ہاں اماں! شگفتہ نے اپنے بیٹے کی منگنی ختم کر ڈالی ہے' کہہ رہی تھی کہ قرۃ العین کے تو پاؤں ہی زمین پر نہ ٹکتے تھے۔ مزاج تو گویا عرش پر تھا۔ وقت پر عقل آ گئی' ورنہ تو اس لڑکی نے منگنی کا ناچ نچا ڈالا تھا

سب کو۔ ویسے اماں وہ پھر سے بیٹے کے لیے بر ڈھونڈ رہی ہے اور سونیا کے بارے میں بھی بڑا کرید کرید کر پوچھ رہی تھی۔" اپنا نام یہاں کے منہ سے سنتے ہی برابر والے کمرے میں جھاڑ پونچھ کرتی سونیا کا ماتھا ٹھنکا تھا۔

سکینہ خاتون جب سے حمیدہ خالہ کے بیٹے کے ولیمہ سے لوٹی تھیں وہیں کی باتیں کر رہی تھیں۔ وہاں کے شاندار انتظام و انصرام اور نظر کو چکا چوند کرتی لڑکیوں پر سیر حاصل گفتگو بھی انہیں مطمئن نہ کر پائی تھی۔ ساتھ والے کمرے میں صفائی کرتی سونیا کا سارا دھیان ان ہی کی جانب لگا تھا۔

"رہنے دے سکینہ! شگفتہ کے گھر کا ماحول بڑا ہی کھلا ہے۔ ہمارے گھر کی بچیاں وہاں نبھا نہیں کر سکتیں اور سنا ہے کہ اس کے بیٹے کے لچھن کچھ اچھے نہیں۔" دادی نے مناسب الفاظ میں منع کر دیا۔

"اماں! سب سنی سنائی باتیں ہیں اور ایسا بھی آزاد ماحول نہیں ہے ان کے گھرانے کا۔ ویسے بھی لڑکی ذات ہے۔ کسی بھی ماحول میں ڈھل جائے گی۔" سکینہ خاتون کو دادی کی بات کھلی تھی۔

"نمانی! کنول کا پھول اگر گملے میں سجا دے گی تو وہ دن میں مرجھا جائے گا۔ رشتے ناتے برابری کے لوگوں میں ہی بھلے لگتے ہیں۔ نہ اپنے سے بہت نیچے' نہ ہی بہت اوپر۔" دادی نے تکیے سے ٹیک لگاتے نرمی سے انہیں سمجھایا تو سکینہ خاتون کی تیوریاں چڑھ گئیں۔

"اماں! کہوں تو ماں ماری جائے اور نہ کہوں تو باوا کتا کھائے۔ مگر بات سانچی ہے کہ جس انداز سے اس گھر کی بچیوں کی تربیت کی گئی ہے۔ ایسے میں تاحیات یہ اماں باوا کے گھر بیٹھی رہیں گی۔ ایسے کیا لعل جڑے ہیں آپ کی پوتیوں میں کہ اس سے بہتر رشتے آئیں گے۔" آج تو گویا وہ سارے لحاظ ہی بالائے طاق رکھ چکی تھیں۔

"جس گھر کی بچیوں کی تربیت اللہ' رسول کے بتائے فرمان کے مطابق کی گئی ہے۔ ہمیں ہماری پوتیوں کے لیے آسمان سے اترے شہزادے درکار نہیں' مگر ایسے خاندان تو ہوں جہاں وہ با آسانی نبھا کر سکیں۔"

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

سکینہ خاتون کے سخت لہجے کے مقابلے دادی کا رویہ بڑا ہی نرم و حلیم تھا۔ سونیا کو ان پر بڑا پیار آیا کہ بلاشبہ وہ ہی سب کی بڑی ڈھال تھیں۔ وہ وہیں گم صم سی کھڑی تھی۔ اس کا پھر کسی کام میں دل نہ لگا تو خاموشی سے اوپر چھت پر چلی آئی۔ اکیلے بیٹھے کتنا وقت گزر گیا تھا جب وہ وارد ہوا۔ اس کے اعصاب کو معطل کرتا ہوا بھیانک وجود، خوب صورتی کی ملمع کاری کیے ہوئے۔

"گھبرانے یا ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ میں بس یہی کہنے آیا ہوں کہ اپنے گھر والوں کو منع کر دو کہ ان کی کوئی کوشش کارگر ــــ نہیں ہونے والی جب تک میں تمہارے ساتھ ہوں اور میں کبھی تمہیں نہیں چھوڑنے والا۔" اور پھر وہ لڑکھڑا کر گری تھی۔

آدھے گھنٹے بعد جب اسے ہوش آیا تو وہ برآمدے کی چارپائی پر سب کے درمیان گھری تھی۔ صفیہ اس پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے ڈال رہی تھی اور ارد گرد سب ہی گھر والوں کا مجمع تھا۔ کنول کپڑے پھیلانے چھت پر گئی تھی تو اس کو بے ہوش پا کر گھر والوں کو پکارا تھا۔ سب کے کیے جانے والے سوالات کا اس کے پاس صرف واحد جواب تھا "خاموشی"۔ خاموشی بڑی نعمت بن جاتی ہے کبھی کبھی۔

رحیم بابا کا دم کیا پانی بھی اپنا اثر نہ دکھا سکا تھا۔ وہ ہنوز موجود تھا اس کی زندگی میں۔ سب کاوشیں اور ٹوٹکے دھرے کے دھرے رہ گئے تھے۔ اس کی امید دم توڑ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

بڑے کمرے میں جمع گھر کے بڑوں اور ارباب بھائی کے درمیان زیرِ بحث مسئلے کی بھنک انہیں بھی مل ہی گئی تھی۔ صبح ہی ارباب بھائی کوئی دو مہینے بعد گھر آئے تھے۔ ان کی صورت دیکھتے ہی معلوم ہو گیا تھا کہ کسی خاص مقصد کے تحت ہی آمد ہوئی ہے اور پھر دوپہر کے کھانے پر عبدالغنی صاحب بھی لوٹ آئے تھے۔ انہیں فون کر کے بلایا گیا تھا۔ تو مسئلہ واقعی گمبھیر تھا۔ اندر سے آنے والی اونچی اونچی آوازوں میں جس کی آواز سب سے نمایاں تھی وہ سکینہ خاتون ہی تھیں اور ان کے مدمقابل ارباب بھائی بھی اتنی ہی اونچی آواز سے قدرے بدتمیزی سے مخاطب تھے۔

"اماں! میرا مطالبہ اتنا بھی ناجائز نہیں ہے۔ آپ نے تو اتنی بے نقط سنا ڈالی ہیں کہ میں تو اپنی نظروں میں خود ہی مجرم بن گیا ہوں۔"

"پرے مر نامنجار۔ تیرے تو دیدوں کا پانی ہی ڈھل گیا ہے۔ اس قدر طوطا چشم نکلے گی میری اولاد میں نے سوچا بھی نہ تھا' نہ خون کا اثر ہوا' نہ تربیت کا' نہ جانے کس پر پڑا ہے تو۔ ماں' باپ' دادی' چاچیاں سب موجود ہیں۔ مجال ہے جو ذرا سی حیا ہو تجھ میں۔ گھر میں حصہ مانگتا ہے تو۔ ارے میں پوچھتی ہوں کون سا حصہ؟ تیرا اس گھر سے تعلق ہی کیا ہے؟" سکینہ خاتون بڑے کھلے انداز میں اونچا اونچا بول رہی تھیں۔

"اماں! بات کو بڑھائیں مت۔ مجھے محض اس گھر میں حصہ چاہیے جو میرا شرعی حق ہے۔" جواباً" وہ بھی کھوروپن کی انتہا کیے ہوئے تھا۔

"شاباش ہے تجھ پر۔ آفرین۔ بس بچے۔ کبھی شرعی فرض یاد نہ آیا جو ماں' باپ' بہن بھائیوں کی طرف بنتا ہے۔ بھول گیا کیسے ہتھیلی کا چھالا بنائے رکھا ہے اس گھر نے تجھے۔ شاید اسی لیے یہ دن دیکھنے کو مل رہا ہے۔" سکینہ خاتون کی آواز یکدم بھرا گئی تھی۔ فرحت بہار نے اٹھ کر انہیں خود سے لگا لیا۔

"ارباب! کچھ تو خیال کر بیٹا۔" بختیار بیگم نے نرمی سے اسے سمجھایا تو وہ نخوت سے سر جھٹکتا خاموش بیٹھے عبدالغنی سے مخاطب ہوا۔

"ابا جی! مجھے پیسوں کی اشد ضرورت ہے۔ میں لاہور میں گھر بنوانا چاہتا ہوں اور پھر میرا مطالبہ کہاں سے غلط ہے۔ میں تو کہتا ہوں کہ یہ پورا گھر بیچ ڈالیں اور وہاں چل کر میرے ساتھ رہیں۔ آخر کیا رکھا ہے یہاں؟ ذرا ذرا سے کام کے لیے اتنی دور جانا پڑتا ہے۔ کب تک اس بوسیدہ در و دیوار سے چمٹے بیٹھے رہیں

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

گے آپ لوگ۔ میں جانتا ہوں کہ اس گھر میں میرے حصے میں چند لاکھ آئیں گے۔ جن سے نہ مجھے فائدہ ہوگا' نہ آپ کو۔ بیچ دیں یہ گھر اور اینٹوں کی بھٹیاں اور چل کر سکون سے میرے ساتھ رہیں۔" وہ کھل کر سامنے آگیا تھا۔ عبدالغنی خاموش تھے۔

"بیٹا! میں بیاہ کر اس گھر میں آئی تھی۔ میرے مرنے کا انتظار کرلے۔ پھر بیچ دینا ان بوسیدہ در و دیوار کو۔" پہلی بار آبدیدہ ہوتی دادی نے بھی لب کشائی کی تو عبدالغنی صاحب کی برداشت جواب دے گئی۔

"میری بات غور سے سن لے ارباب۔ میرے جیتے جی یہ گھر تقسیم نہ ہوگا۔ اگر تو اسی لالچ میں آیا ہے تو واپس چلا جا۔ میں سمجھوں گا کہ بابر ہی میرا اکلوتا بیٹا ہے۔ میں ایک بازو کٹوا کر ایک بازو سے بھی زندگی گزار سکتا ہوں۔ مگر اپنی جڑیں اس زمین سے اکھاڑ کر کسی اور کے در پر خود کو اپاہج بنا کر نہیں بٹھا سکتا۔ اگر بیٹے تیرے جیسے ہی ہوتے ہیں تو میری دعا ہے کہ کسی کے بھی نہ ہوں ایسے بیٹے۔ اس گھر میں میری ماں' میرے دو بھائیوں اور ان کی اولادوں کا بھی حصہ ہے اور ابھی میں اتنا بے ضمیر نہیں ہوا کہ اپنوں کو ان کے جائز حق سے محروم کردوں۔ تجھے تیرا حصہ چاہیے؟ دوں گا میں تجھے تیرا حصہ۔ مگر پھر میری بات یاد رکھنا کہ اس گھر اور اس کے کسی بھی مکین سے تیرا کوئی تعلق نہ ہوگا۔ فیصلہ تیرا ہے۔ سوچ کر بتا دینا۔"

دو ٹوک فیصلہ سنا کر وہ تیزی سے گھر کی دہلیز پار کر گئے تھے اور وہ لب بھینچے سب کی نگاہوں میں دکھ اور بے یقینی دیکھتے ہوئے خاموشی سے اٹھ کر چل دیا تھا۔ برابر والے کمرے میں دم سادھے خاموشی سے پوری بات سنتی وہ سب غم و غصے کے عالم میں کھول کر رہ گئیں اور کنول نے بڑی جتاتی نظروں سے سب کو دیکھا۔

"میں نہ کہتی تھی کہ لوٹنے کا کوئی تو مقصد ہوگا۔ زن یا زر۔ دیکھ لو اب۔"

☼ ☼ ☼

میاں جی نے کمرے میں داخل ہوتے ہی پچھلی بار کی طرح مسکرا کر مصافحہ کرنے میں پہل کی۔ وہ پھر سے شرمندہ ہو کر خود کو دل ہی دل میں لتاڑنے لگا۔

"کیسے ہو میاں؟ کیسے آنا ہوا ہے؟" وہ وہیں نیچے گاؤ تکیے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔

"میاں جی! کچھ رہنمائی چاہیے آپ سے اس سلسلے میں حاضر ہوا ہوں۔ میاں جی! آپ نے اللہ کی کتاب سے رہنمائی اور مدد کی تلقین کی تھی۔ مگر مسئلہ تو یہ ہے ہم اس کتاب سے ہی ناواقف ہیں تو رہنمائی کیسے حاصل کریں۔"

"یاد رکھو کہ نیت صاف ہوتی ہے تو راستے اللہ خود کھول دیتا ہے۔ بس نیت صاف کرکے ذرا سی کوشش کرو۔ رستے کھولنے والی ذات وہ اوپر بیٹھی ہے۔" میاں جی نے بہت محبت پاش نظروں سے اوپر دیکھا اور آنکھیں موند لیں۔

"میاں! کیوں ادھر ادھر درگاہوں' مزاروں پر بھٹک رہے ہو۔ جب شفا گھر میں رکھی ہے اور شفا دینے والا اتنے قریب ہے کہ تم دل میں بھی پکارو تو بھی وہ سنے گا۔" میاں جی آنکھیں بند کیے ہی بولے تھے۔

"تمہاری بہن کے ساتھ جو مسئلہ ہے میں ابھی پتا کرکے بتا دیتا ہوں۔" میاں جی نے با آواز بلند کسی کو پکارا تھا۔ آنے والا سفید شلوار قمیص میں ایک خوب صورت نوجوان تھا۔ وہ ان ہی کی طرح عام سا انسان دکھتا تھا۔

"عبدالواسع۔ ان کی بہن کو کوئی شیطان تنگ کررہا ہے۔ کیا تم اس کے متعلق کچھ معلومات دے پاؤ گے۔"

میاں جی کے پوچھنے پر وہ نظریں جھکائے جھکائے ہی بولنا شروع ہوا۔ "میاں جی۔ وہ ایک شیطانی طاقت رکھنے والا جن ہے میاں جی اور اس کا مقصد ان کی بہن کی شادی کی راہ میں مشکلات پیدا کرنا ہے۔ مگر وہ یہ کام خود نہیں کررہا ہے' اس سے یہ کام کروایا جارہا ہے۔ دراصل ان کی بہن پر کسی نے اسی مقصد سے جادو کروایا ہے۔ وہ کون ہے جو اس جن کو استعمال کروا رہا ہے اس کا پتا تو اللہ کی ذات کو ہی ہے۔" میاں جی کے

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

اشارے پر وہ اٹھ کر چلا گیا۔

"میں نے اپنی زندگی میں بہت سارے لوگوں کو قرآن کی تعلیم دی ہے ان میں انسانوں کے ساتھ ساتھ جنات بھی شامل ہیں یہ ان میں سے ایک تھا۔"

شمعون پر اس انکشاف سے حیرت کا پہاڑ ہی ٹوٹ پڑا تھا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی ایسا کچھ نہیں تھا۔ کچھ پل میاں جی خاموش رہے تھے شاید وہ اسے سنبھلنے کا موقع دے رہے تھے۔ چند ثانیے بعد وہ بولا تو اسے اپنی آواز کسی کنویں سے آتی محسوس ہوئی۔

"میاں جی اب کیا کہتے ہیں آپ؟"

"اللہ کے حکم کے بغیر کوئی کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتا اور اس مصیبت سے نکالنے والی ذات محض اللہ کی ہی ہے۔" وہ بہت ٹھہر ٹھہر کر بولتے اس کے دل کو سکون پہنچا رہے تھے۔

اپنی بہن کے ایمان کو مضبوط کرنے کی کوشش کرو' وہ خود ہی اپنے آپ کو اس مصیبت سے نکلنے میں مدد دے سکتی ہے۔ تم اسے اس پتے پر لے جاؤ۔ یہاں اللہ کی ایک مقرب بندی رہتی ہے جو اس کی رہنمائی کرے گی۔ بیٹھو کھانا کھا کر جانا۔ تاکہ اس بندے کی نیکیوں میں بھی اضافہ ہو سکے۔"

ان کے ہاتھ سے کاغذ تھام کر اس نے زیر لب اس پر لکھے پتے کو دہرایا اور ٹیک لگا کر وہیں بیٹھ گیا۔

☼ ☼ ☼

دادی سروتے سے چھالیہ کترتے ہوئے سامنے بیٹھی خاموشی سے ٹی وی پر نظریں دوڑاتی سونیا کو گاہے گاہے دیکھ رہی تھیں۔ جس کا ہاتھ کسی بھی ایک چینل پر نہ ٹک رہا تھا۔ آج اس نے خود سے بہت دنوں بعد ٹی وی آن کیا تھا۔ لہٰذا ان میں سے کسی نے بھی ریموٹ چھیننے کی کسی قسم کی کوشش نہیں کی تھی۔ سب خاموشی سے اندر باہر ہوتی اپنا کام کرتی ایک آدھ نظر ٹی وی پر مار لیتیں۔ شمعون وہیں قریب ہی بیٹھا دادی کا پرانا ریڈیو کھولے' اس کے پرزے الگ کیے بیٹھا تھا۔ جنہیں اسے ہر تھوڑی دیر بعد لعنت ملامت کرتیں تو

جواباً" وہ کوئی چٹکلہ چھوڑ تا انہیں مزید تپا رہا تھا۔

"ارے بس کر دے۔ اس بے چارے کے پیچھے کیوں ہاتھ دھو کر پڑ گیا ہے۔ تیرے دادا کا بہت پرانا اور قیمتی ریڈیو ہے جو ان کے بعد میں نے بڑا سنبھال کر رکھا۔ تو کدھر سے اسے کوٹھڑی سے نکال لایا ہے۔"

"دادی! اب اس کی قیمت وصولنے کا وقت آن پہنچا ہے۔ منہ مانگے دام ملیں گے اس قیمتی ریڈیو کے۔" پیچ کس سے اس کے پرزوں پر مزید کاری گری دکھاتے اس نے دانت نکوسے تو دادی نے دور سے ہی پاس رکھا کشن اسے دے مارا۔

"لو ایک تو راتوں رات امیر ہونے کے طریقے بتا رہا ہوں۔ کیا آپ نہیں چاہتیں کہ آپ کوئین الزبتھ کی طرح ایک عظیم الشان محل میں رہتے کوئین آف سرگودھا کہلائی جائیں۔" اس کے مزید چھیڑنے پر دادی کو جلال آیا تو وہ نیچے ہاتھ جھکا کر چپل ڈھونڈنے لگیں۔ اتنے میں لوڈشیڈنگ نے کام دکھا دیا تو وہ منہ بھر بھر کر واپڈا کو کوسنے لگیں۔ سونیا ٹی وی کا بٹن بند کرتی' ریموٹ رکھ کر باہر جانے کو ہی تھی کہ دادی نے اسے پاس بیٹھنے کا کہا۔ وہ خاموشی سے ان کے برابر آکر بیٹھی تو دادی بڑے لاڈ سے اسے اپنے ساتھ لگا کر بولیں۔

"ہائے بچی! کچھ کھایا کر' دیکھ تو کیسے سوکھ کر کانٹا ہوتی جا رہی ہے۔"

"اور سن نماز پڑھا کر' قرآن کی تلاوت کیا کر۔" پیار سے سونیا کو دیکھتے ہوئے انہوں نے نرمی سے کہا۔

"دادی! دل نہیں کرتا۔" وہ بڑی بے دلی سے بولی تھی۔ شمعون نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ جو اب نظریں جھکائے اپنے ہاتھ مسل رہی تھی۔

"ائے ہائے بچی ایسے نہیں کہتے' فرض عبادت ہے' کرنا تو پڑتی ہی ہے۔" وہ خاموش رہی تھی۔ شمعون گہری نظروں سے اس کے تاثرات جانچنے کی کوشش کرتا رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

"تمہیں کیا لگتا ہے کہ وہ مان جائے گی؟" اس نے

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

شربت کا گلاس تھام کر اس کی جانب دیکھتے پوچھا تو صفیہ نے کندھے اچکا دیے۔

"کیا کہہ سکتی ہوں؟"

"تم اسے سب سے زیادہ جانتی ہو۔" اتنی اس کی کسی سے نہیں بنتی جتنی تم سے بنتی ہے۔" صفیہ نے جگ سے شربت دوسرے گلاس میں انڈیلتے عطیہ کو تھمایا۔

وہ تینوں صحن میں لگے درخت تلے بیٹھے تھے۔

"تم جس زمانے کی بات کر رہے ہو اسے گزرے بہت وقت ہو گیا ہے۔ نہ اب وہ پہلے جیسی رہی ہے' نہ ہی ہمارا تعلق۔" اپنا گلاس بھر کر اس نے لبوں سے لگاتے ہوئے جواب دیا۔

"میں بھی یہی جواب دوں گی۔" عطیہ نے صفیہ کی بات کی تائید کرتے اختصار سے کام لیا تھا۔

"یار! تم لوگ اتنا دور کیوں ہو گئی ہو اس سے' وہ بیمار ہے۔ مشکل میں ہے تو مطلب تم لوگ اس کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔ حیرت سے کہیں زیادہ مجھے افسوس ہے۔" وہ قدرے اکھڑے لہجے میں بولا۔

"ہم نے اسے نہیں چھوڑا' وہ خود اتنا عجیب طریقے سے بی ہیو کرتی ہے کہ ہم چاہتے ہوئے بھی اس سے بات نہیں کر پاتے۔" عطیہ نے گلاس وہیں ایک طرف رکھ دیا۔ شام کے وقت ٹھنڈی ہوا چلتی تھی اور درخت کے نیچے گرمی کا زور کم پڑتا معلوم ہوتا تھا۔ شمعون کا چہرہ سرخ پڑ گیا تھا۔ شاید غصے کے سبب۔

"شمعون! وہ اتنا رو ڈ ہو جاتی ہے۔ بالکل اجنبی کی۔" صفیہ کی بات اس نے درشتی سے کاٹ دی۔

"وہ اس وقت نارمل نہیں ہے اور میرے ساتھ بھی وہ ایسا ہی بی ہیو کرتی ہے۔ مگر میں نے تو اسے اس کے حال پر نہیں چھوڑا۔ زبردستی کرنا پڑتی ہے۔ بندہ کسی اپنے کو کنویں میں گرتے تو نہیں دیکھ سکتا۔ اب بھی وہ جائے نہ جائے' میں اسے گھسیٹ کر بھی لے کر جاؤں گا۔"

وہ دونوں خاموش ہو گئیں تو وہ ان پر کھلی نگاہ ڈالتے اٹھ کر اندر چلا آیا۔ نماز کا وقت ہونے لگا تھا۔

اسے وضو کر کے مغرب کی نماز کی غرض سے مسجد جانا تھا۔ آج وہ دو رکعت نماز حاجت پڑھ کر اللہ سے مدد کی دعا مانگے گا۔ ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی جب کوئی پریشانی آتی تو فوراً" وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھتے تھے۔ آج اپنے گھر کے ان حالات سے نپٹنے کے لیے اسے اسی سنت پر عمل کرتے اللہ سے مدد مانگنا تھی۔

"تم مجھے یہ بتاؤ کہ تم مجھے کیوں لے کر جانا چاہتے ہو؟" وہ کپڑے دھو کر بالٹی اٹھائے برآمدے میں لے آئی تھی۔

"کیونکہ تمہیں ضرورت ہے۔" اس کے مختصر سے جواب پر وہ طنزیہ مسکرائی۔

"کس بات کی ضرورت ہے مجھے' شادی کی؟" اس نے کپڑے نچوڑ کر جھٹک کے تار پر پھیلانے شروع کیے۔

"ہرگز نہیں۔" اسے اس کا لہجہ اور بات دونوں ہی برے لگے تھے۔ "بلکہ اس گھر میں کوئی بھی ایسا نہیں سوچتا۔ تم غلط اور منفی خیالات کو ذہن سے جھٹک دو۔"

"شمعون! اس گھر کا واحد مسئلہ میری شادی کیوں بن کر رہ گیا ہے؟" وہ آزردگی سے پوچھ بیٹھی۔

"جس گھر میں بھی جوان لڑکیاں ہوں۔ گھر والوں کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ ان کا گھر بسانے کے بارے میں سوچیں۔"

"جانتے ہو تم' بڑھتی اور گزرتی ہوئی عمر کے ساتھ گھر والوں کے بدلتے رویے لڑکیوں کو اپنی نظروں میں ہی مجرم اور بوجھ بنا دیتے ہیں۔" وہ اس قدر حساس پہلے ہی تھی یا وقت کے ساتھ ہو گئی تھی' وہ ٹھیک سے ادراک نہ کر پایا۔ مگر اسے پھر سے بے حد افسوس ہوا تھا۔

"میں تمہیں کسی بھی اس قسم کے جذبے کے تحت نہیں لے کر جا رہا' نہ ہی کوئی دم درود کروانے لے جا رہا ہوں۔ میں صرف تمہیں تمہارا یقین مضبوط کرنے کے لیے لے کر جانا چاہتا ہوں' ایمان کا وہ رستہ جو تمہیں دکھ نہیں رہا۔ تم سے کھو گیا ہے۔" اسے پھر سے

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

پانے کے لیے۔"

"ایمان اور یقین کے لیے۔" وہ زیرلب بڑبڑائی تھی۔

"ہاں ایمان کی تازگی کے لیے۔ وہی ایمان جو ہم سب کے اندر بہت اندر کہیں دب جاتا ہے' گناہوں کی دھول تلے کہیں بہت نیچے۔ بولو چلوگی نا تم؟"

نجانے کیسا جادو تھا اس کے لہجے میں' الفاظ میں' اس کے لفظوں کی سچائی میں کہ وہ جذب کے عالم میں اسے دیکھے گئی پھر آہستہ سے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

اندرون لاہور کے علاقے میں سرخ اینٹوں کی بنی وہ حویلی شاید قیام پاکستان کے وقت کی تھی جس میں مختلف تنگ و تاریک پر اسرار سی راہداریاں تھیں جن کے اطراف چھوٹے چھوٹے کمرے بنے تھے۔ پیلے سرخ اور گہرے سبز رنگ کے شیشے لگے تھے جن کے آرپار نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔ جس کمرے میں وہ خاتون انہیں لائی تھیں وہ بھی ان ہی میں سے ایک راہداری کے اختتام پر تھا۔ دونوں کو وہیں بٹھا کر وہ دوبارہ اسی دروازے کے پیچھے کہیں غائب ہو گئی تھیں۔

پانچ منٹ ہی گزرے تھے کہ وہی خاتون لال شربت کے دو گلاس ٹرے میں سجائے اندر داخل ہوئیں۔

"اس تکلف کی کیا ضرورت تھی؟" شمعون نے کھڑے ہوتے ہوئے فوراً" ان کے ہاتھ سے ٹرے تھام کر میز پر رکھ دی۔

"تکلف کیسا؟ اتنی گرمی میں اتنا لمبا سفر طے کر کے آئے ہو۔" خاتون کا لہجہ بے ریا تھا۔ وہ وہیں سامنے دھری کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئیں۔

"نمو سے ملنے آئے ہو۔ میری بھانجی ہے وہ۔ میں رشتے کی خالہ ہوں اس کی۔ اس گھر میں بس ہم دو اور میرا چھوٹا بیٹا ہی رہتا ہے۔ اس وقت وہ اپنی دکان پر ہوتا ہے۔ انارکلی میں کپڑے کی دکان ہے اس کی۔ کام اچھا چل رہا ہے تو سوچا ہے اس کی شادی کر دوں۔ گھر میں ایک اور فرد کا اضافہ ہو جائے گا تو کچھ رونق ہو جائے گی۔" وہ سادگی سے کہہ رہی تھیں۔

"نمو کا پتا کس نے دیا ہے؟"

"ایک صاحب نے بتا دیا ہے' میاں جی کہتے ہیں انہیں لوگ۔" شمعون کی وضاحت پر وہ قدرے سوچ میں پڑ گئیں۔

"انہوں نے نمو کو قرآن پڑھایا تھا۔" جیسے انہیں یاد آگیا تھا۔ شمعون نے فوراً" تائید کی

"جی جی۔ وہ قرآن پڑھاتے ہیں۔"

"کس کام سے آنا ہوا؟" وہ قدرے توقف سے گویا ہوئیں۔

"بس کچھ مسئلہ ہے اس کے ساتھ... میاں جی نے ہی بھیجا ہے۔ اسے یہاں۔" شمعون نے گلاس خالی کر کے سامنے ٹرے میں واپس رکھ دیا۔

"ہوں۔ نجانے تم کیا آس امیدیں لے کر آئے ہو گے۔ مگر میں پہلے سے بتا دوں کہ نمو کوئی آسیب' جادو ٹونے کا علاج نہیں کرتی۔ نہ ہی وہ کوئی پیرنی فقیرنی ہے۔ علاج وہ تمہیں ضرور بتائے گی طب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے نکال کر۔ مگر عمل خود کرنا ہو گا۔" انہوں نے قدرے توقف کر کے غور سے دونوں کی جانب دیکھا۔

"بیٹا! وہ ایک عام لڑکی ہے جسے شاید اگر کوئی کمال حاصل بھی ہے تو اس کا سبب اس کا خدا کی ذات پر توکل اور اس کا "صبر" ہے۔ اس کے صبر نے ہی اسے اللہ کی نظر میں خاص بنایا ہے۔ وہ تین برس کی تھی جب اس کا باپ فوت ہوا' اور نو برس کی تھی جب ماں فوت ہوئی۔ دو بڑے بھائی اپنے روزگار کے چکر میں جو میرے پاس چھوڑ کر گئے تو کبھی مڑ کے بہن کو پوچھا بھی نہیں کہ کہاں گئی؟ اس کی ساری پرورش میں نے کی ہے' مگر سچ پوچھو تو اصل میں اس نے میری تربیت کی ہے۔ اس کی ذات میں جو بھی خوبیاں ہیں' وہ اس کی اپنی وجہ سے ہیں یا اللہ کی دین ہیں اس میں میرا کوئی دخل نہیں۔ میں تو عام سی جاہل عورت تھی جسے وقت کے ساتھ ساتھ اسی نے عقل دی ہے۔ اس کے "صبر" نے اسے بہت سی خوبیاں ودیعت کی ہیں۔ اگر اللہ فرماتا ہے

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

کہ بے شک وہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے تو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے یہ سب۔" وہ اب سامنے دیوار پر دیکھتے ہوا ٹھہر ٹھہر کو بول رہی تھیں۔

"بیس برس کی عمر میں' میں نے اس کی شادی کی تھی۔ ان ظالموں نے کس کس طرح سے اسے نہ ستایا ہوگا' کیونکہ اس بچی نے تو کبھی ایک لفظ منہ سے نہ نکالا مجھے تو تین برس بعد تب اطلاع ملی جب ظالموں نے اس بچی کی ریڑھ کی ہڈی اور ہاتھ توڑ کر طلاق دے کر رات کے کسی پہر میری چوکھٹ پر لا پھینکا۔ وہ تو تب بھی نہ بولتی تھی کہ اس کے ساتھ یہ سب کیسے ہوا اور میں یہ بھی نہ جان سکی کہ ان تین سالوں میں وہ وہاں کیسے رہی' کسی جاننے والی نے بتایا تھا کہ اس کا بچہ بھی اسی دوران اس کی کوکھ میں ہی دم توڑ گیا تھا۔ مگر آفرین ہے اس کے "صبر" پر۔"

ان کی آنکھوں میں جھلملاتے آنسو رخساروں پر بہہ نکلے تو چادر کے پلو سے انہیں پونچھتے ہوئے وہ پھر سے ان دونوں کی طرف دیکھنے لگیں جو دم سادھے' چپ چاپ سب سنتے جا رہے تھے۔

"زندگی میں بس ایک بار اسے بلک بلک کر روتے دیکھا ہے میں نے' شاید وہ صبر کی حد تھی' جو اس کی اپنی ذات سے متعلق نہیں تھی۔ جب اپاہج ہونے کے بعد اس نے پہلی بار نماز پڑھنے کے لیے اپنی خواہش کا اظہار کیا تو میں نے اسے وضو کروایا تھا' وہ اپنی وہیل چیئر بھی نہ گھسیٹ سکتی تھی۔ میں اس کی وہیل چیئر گھسیٹتی اسے اس کے کمرے تک لائی۔ نیت کر کے جوں ہی اس نے تکبیر کے لیے ہاتھ اٹھانا چاہے' اس کے ہاتھوں نے اٹھنے سے انکار کر دیا۔ وہ نماز کے لیے کھڑی نہیں ہو سکتی تھی اپنے پیروں پر' وہ سینے پر ہاتھ نہیں باندھ سکتی تھی کہ خدا کی کبریائی کے لیے اس کے آگے سر جھکا سکے۔ اس موقع پر وہ پھوٹ پھوٹ کر بچوں کی طرح روئی تھی۔ کہ ان ظالموں نے اسے اپنے اللہ کی عبادت کے لیے اس کے سامنے کھڑا ہونے کے لائق بھی نہ چھوڑا تھا۔ اس کا شکر اس کی آنکھوں میں آنسو بھر دیتا ہے اور اس کا صبر اس کے گرد لوگوں کی آنکھوں میں۔" انہوں نے ٹھنڈی کو بھری۔

"وہ کہتی ہے' واقعہ جیسا بھی ہو اس سے گزرنے والے کو رو کر یا خاموشی سے اس سے گزرنا ہی پڑتا ہے۔ وہ کہتی ہے صبر پہلی چوٹ پر ہوتا ہے' رو دھو کر واویلا کرنے کے بعد تو وقت کے ساتھ سب کو ہی صبر آجاتا ہے۔" آنکھوں میں جھلملاتے آنسوؤں کے ساتھ وہ مسکرا دیں۔ ان کی مسکراہٹ بھی بڑی آنسو سی تھی۔ کیا دنیا میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں' وہ دونوں بے حد حیران تھے۔

شمعون کو واصف علی واصف کا ایک اقتباس یاد آگیا۔

"تکلیف ہمارے اعمال سے آئے یا اللہ کے حکم سے' مقام صرف صبر ہے۔" اور جس لڑکی کے پاس میاں جی نے اسے بھیجا تھا' وہ لڑکی اس مقام کے اعلا درجے پر فائز تھی۔

☼ ☼ ☼

علیہ اور کنزیٰ دونوں سر جوڑے کھسر پھسر کرتی' ہاتھ میں ڈائجسٹ تھامے بیٹھی تھیں۔ دونوں ہی امتحانات کے بعد فارغ تھیں اور گھر کے کام کاج صبح ہی صبح نبٹا کر یا تو ٹی وی لگا کر بیٹھ جاتیں یا ڈائجسٹ تھام کر۔ آج کل ان کا محبوب مشغلہ پرانے ڈائجسٹ نکال کر سولی سری کہانیوں کو پھر سے دہرانا تھا۔

"اے لڑکیو! تم دونوں کو کوئی کام نہیں ہے سوائے ان ڈائجسٹوں کے؟" فرحت بہار بازار سے لوٹی تھیں۔ چادر اتار کر پلنگ پر پھینکتے انہوں نے پنکھا تیز کیا اور سامنے پڑا ہاتھ کا پنکھا اٹھا کر جھلنے لگیں۔

"چاچی! بس کام ختم کر کے ہی ہم بیٹھے ہیں۔" کنزیٰ نے جلدی سے اٹھ کر سودا سلف سمیٹنا شروع کیا اور تھیلے لیے باورچی خانے میں چلی آئی جہاں بختیار بیگم کھیر کے لیے چاول تھار رہی تھیں۔ کنزی نے ہر شے ٹھکانے پر رکھی۔

"سنو کنزی!" وہ جانے کے لیے مڑی ہی تھی کہ

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

انہوں نے پکارا۔

"جی اماں۔"

"مجھے تم سے ایک بات کرنا تھی۔" وہ متذبذب لہجے میں بولیں تو کنزیٰ ہمہ گوش ہو گئی۔

"شمعون سونیا کو لے کر لاہور گیا ہے کسی سے ملنے شاید علاج کروائے یا دم کروائے۔ مگر میں ایک بات سوچ رہی تھی بیٹا۔ سوچا بھابھی بیگم تک بات پہنچانے سے پہلے تم سے مشورہ کر لوں۔"

چاول کی پرات پانی کے نیچے سے ہٹا کر انہوں نے چوکی پر رکھی اور ہاتھ چادر سے پونچھنے لگیں۔

"شمعون بڑا خیال رکھتا ہے سونیا کا' دونوں میں بڑی دوستی بھی ہے۔ سوچتی ہوں کہ بھابھی بیگم سے شمعون کے لیے سونیا کی بات کر لوں۔"

کنزیٰ ساکت و صامت ہی رہ گئی تھی۔

"بیٹا! وہ بیمار ہے' گھر کی بچی ہے۔ گھر میں ہی رہ جائے' باہر والے تو ہزار باتیں کرتے ہیں اور اس تکلیف کے ساتھ اسے کوئی باہر والا اپنائے گا بھی نہیں۔"

کنزیٰ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہے کیا یہ مناسب وقت تھا ماں سے بھائی کی پسند کا تذکرہ کرنے کا؟ ابھی وہ اسی کشمکش و پیچ میں کھڑی تھی کہ اسے دروازے پر کسی کھٹکے کا احساس ہوا۔ اس نے مڑ کر دیکھا تو اسے دروازے میں ایک آنچل سرسراتا ہوا دکھائی دیا' وہ اس آنچل کو خوب پہچانتی تھی۔ وہ عطیہ ہی تھی جو سب سن کر وہاں سے جا چکی تھی۔ اس کا دماغ گھوم کر رہ گیا۔ بختیار بیگم البتہ اسے دیکھ نہ پائی تھیں۔

"اماں! سونیا اس سے بڑی ہے۔" اس نے بودا سا بہانہ گھڑا۔

"ایک دو سال سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ گھر کا رشتہ ہے۔ اس وقت بھابھی بیگم مشکل میں ہیں۔ ہمیں ہی ان کا ساتھ دینا ہوگا۔ شمعون سمجھ دار ہے' سونیا کو سنبھال لے گا۔" اس نے گہرا سانس بھرا اور تھوڑی کھجاتی ماں کی شکل تکتی رہی جو پھر سے کام میں لگ گئی تھیں۔

"اماں شمعون۔۔۔ شمعون عطیہ کو پسند کرتا ہے۔" اس نے بالآخر فیصلہ کر ہی لیا تھا بھائی کی پسند ماں کو بتانے کا۔۔۔ یہ تو وہ کہہ نہیں سکتی تھی کہ دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں کیونکہ عطیہ کی جانب سے بہرحال کبھی اس قسم کا کوئی اشارہ نہیں ملا تھا مگر وہ پھر بھی سب جانتی تھی اور اسے ہر حال میں اس کی عزت نفس اور انا پیاری تھی۔

"ہائیں۔۔۔ عطیہ؟ مگر اس کے انداز و اطوار سے کبھی دکھا تو نہیں ہے۔۔۔ وہ تو سونیا کا بہت خیال کرتا ہے۔" بختیار بیگم چونکیں۔

"اماں! سونیا سے اس کی بہت دوستی ہے مگر سونیا اور وہ اس طرح نہیں سوچتے ایک دوسرے کے لیے۔" اسے اب عطیہ کی فکر ستا رہی تھی۔ وہ جلد از جلد ماں کو صورت حال سمجھا کر اس کے پاس جانا چاہتی تھی۔

"اچھا چلو میں دیکھتی ہوں۔۔۔ شمعون سے خود بات کروں گی میں۔" بختیار بیگم نے دودھ میں چاول ڈالتے ہوئے کہا۔

وہاں سے چھوٹتے ہی وہ کمرے میں آئی جہاں عطیہ رسالے کی اوٹ میں چہرہ چھپائے بیٹھی تھی۔ کنزیٰ نے اس کے ہاتھ سے رسالہ اچک لیا۔ گھٹتے ہوئے سرخ چہرے کے ساتھ وہ آنکھوں کو بار بار جھپکاتے شاید آنسوؤں کو بہنے سے روک رہی تھی۔ کنزیٰ کو یکدم بڑا پیار آیا تھا اس پر۔

"مسئلہ۔۔۔ خبردار جو تم نے اتنے قیمتی آنسو میرے اس نکمے بھائی کے لیے خرچ کیے تو۔۔۔ وہ ہرگز اس قابل نہیں ہے۔" عطیہ نے پلکیں اٹھا کر بے اختیاری سے کنزیٰ کی جانب دیکھا اور کب کے رکے آنسو یکدم بہہ نکلے۔

اس نے آگے بڑھ کر اسے گلے سے لگا لیا۔

"پاگل لڑکی! میری اکلوتی بھابھی تم ہی ہو گی۔۔۔ یہ وعدہ میرا بھی ہے اور میرے بھائی کا بھی۔" اس کے آنسو صاف کرتے وہ ہولے سے مسکرائی تھی۔ "ویسے مجھے

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

نہیں معلوم تھا کہ میرا بھائی اتنا شہزادہ ہے کہ آج اس گھنی مہینی پر چڑھا خول اس کے آنسوؤں سے بچ ہی گیا ہے۔"

اس کے بازو میں ہولے سے چٹکی کاٹتے شرارت سے کہتے وہ ہنس دی۔ ایک شرگیں مسکراہٹ نے اس لمحے علیہ کے ہونٹوں کا بھی احاطہ کیا اور اس نے جلدی سے چہرہ پونچھ ڈالا۔

☼ ☼ ☼

ان دونوں کے درمیان پھر مزید کوئی گفتگو نہ ہوئی تھی۔ خاتون ٹرے اٹھا کر باہر گئیں تو وہ اٹھ کر کھڑکی تک گیا اور باہر کی تنگ و تاریک گلی میں ننگ دھڑنگ بچوں کو کھیلتے ہوئے دیکھنے لگا۔ تب ہی وہ خاتون پھر سے اندر داخل ہوئیں۔

"چلو بیٹا! امو نماز سے فارغ ہو چکی ہے۔ وہ تمہیں اندر بلا رہی ہے۔"

وہ چادر درست کرتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے مڑ کر شمعون کی جانب دیکھا۔ کیا وہ اس کے ساتھ اندر نہیں چلے گا۔ وہ چاہتی تھی کہ وہ بھی اس کے ساتھ اندر چلے۔

"آنٹی! کیا میں اندر چل سکتا ہوں؟" وہ بڑے مودب انداز میں گویا ہوا۔ اس کے کہے بنا ہی وہ جان گیا تھا۔ لمحے بھر کو اسے خوشگوار سا احساس ہوا۔

"بیٹا! وہ مردوں سے نہیں ملتی۔" وہ سہولت سے انکار کر گئی تھیں۔

"میں ان سے ملنے کی بات نہیں کر رہا۔ آپ پردے کا انتظام کرلیں۔ میں پردے میں رہ کر ان دونوں کی گفتگو سننا چاہتا ہوں۔ اگر میری ضرورت پڑی تو ہی میں بولوں گا۔ ورنہ میں خاموش رہوں گا۔"

ایک نظر اس نے سونیا کے متذبذب چہرے کو دیکھتے ہوئے اپنی بات مکمل کی۔ خاتون نے دونوں کی جانب ذرا کی ذرا دیکھا اور سر ہلاتی ہوئی واپس پلٹ گئیں۔ کچھ دیر بعد ان کی واپسی ہوئی اور انہوں نے دونوں کو ساتھ چلنے کا کہا تو وہ دونوں خاموشی سے ان کے پیچھے چل پڑے۔ تنگ سی راہداریوں سے ہوتے ہوئے وہ ایک کمرے سے اندر داخل ہوئے جس کے بیچوں بیچ گہرے ہرے رنگ کا پردہ اوپر سے نیچے تک آتا فرش کو چھو رہا تھا۔ خاتون کے اشارے سے وہ وہیں پردے کے قریب رکھے کین کے فرنیچر میں سے ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ سونیا پردے کے دوسرے جانب چلی گئی جہاں وہیل چیئر پر پرکشش نقوش والی خاتون بڑی سی سفید چادر اوڑھے بیٹھی تھیں۔

"السلام علیکم۔" سونیا نے سلام کیا تو انہوں نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دے کر اسے بیٹھ جانے کا کہا۔ انہوں نے عام سے انداز میں اپنا تعارف کرواتے اس سے بھی عام سے سوالات کیے جن کا وہ مختصر جواب دیتی رہی۔

"سونیا! پہلے تو یہ بات اپنے ذہن سے نکال دیں کہ آپ جس مسئلے کے لیے آئی ہیں۔ وہ میں حل کر پاؤں گی۔ میں اپاہج عورت کچھ نہیں کر سکتی۔ کرنے والی ذات اللہ کی ہے۔ ہم تو بس کسی کی مدد کر کے اپنی نیکیوں میں اضافہ کرتے ہیں۔ اگر میں آپ کی کوئی مدد کر سکی تو میری نیکیوں میں اضافہ ہی ہو گا۔"

سونیا غور سے ان کی بات سنتی رہی۔ جو بات اسے ان کی طرف کھینچ رہی تھی۔ وہ ان کے چہرے کا نور اور اطمینان تھا۔

وہ اس سے تمام حالات تفصیل سے پوچھنے لگیں۔ جو بھی اس نے اتنے عرصے میں دیکھا جو بھی اس پر بیتی۔ کافی دیر وہ خاموش بیٹھی اس سے تمام حالات و واقعات سنتی رہیں۔ اس نے جادو سے متعلق بھی انہیں مختصر سا بتایا۔

"کیا آپ کو لگتا ہے کہ یہ سب جادو ہے؟" تمام گفتگو کے بعد اس نے خود ہی سوال کر ڈالا۔

"ہو سکتا ہے کیوں نہیں ہو سکتا۔"

"جادو کیا ہے؟ کیا اس کا وجود ہے؟ کیا وجوہات ہیں؟"

"عربی ڈکشنری کے مطابق جادو کو سحر کہتے ہیں۔ ہر ایسے اثر کو سحر کہا جاتا ہے۔ جس کی وجہ معلوم نہ ہو۔

جادو میں بھی کچھ اثرات ایسے ہوتے ہیں۔ جس کی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ انسان اپنے اندر "اپنے ماحول میں چند اثرات محسوس کرتا ہے۔"

اسے یکدم اپنے اندر کی وہ بے چینی یاد آنے لگی جس کا سلسلہ کنزی سے شروع ہوا تھا۔ تمام اثرات وہیں سے پنپنا شروع ہوئے تھے۔ کنزی کا گھر بھول جانا اس کا وہ جھگڑا اپنے رشتے سے انکار کرنا اور اس کے بعد سے اس کے ساتھ جو کچھ بھی ہوا۔

"وہ اثرات کچھ کلمات کے ہوتے ہیں۔ "دیکھو۔ جب کوئی ہماری تعریف کرے تو ہم پر اثر ہوتا ہے نا۔ ہمیں بڑی خوشی ہوتی ہے' فخر محسوس ہوتا ہے۔ اسی طرح جب کوئی گالی دے تو ہم پر' ہمارے مزاج پر اثر ہوتا ہے۔ حالانکہ دیکھا جائے تو یہ محض الفاظ ہی تو ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ الفاظ کے اثرات ہوتے ہیں۔ ایک بات بار کہی جائے تو اس کا اثر کچھ اور ہوتا ہے اور بار بار کہی جائے تو اثر اور طرح سے ہوتا ہے۔ جس طرح مادی چیزیں مادی چیزوں پر اثر انداز ہوتی ہیں تو درد ہوتا ہے۔ مثلاً" ہاتھ سے کچھ ٹکرائے تو تکلیف ہوتی ہے۔ اسی طرح ہمارے جسم میں روح ہے جو مادی نہیں ہے۔ اس پر معنوی یا غیر مادی چیز اثر کرتی ہے۔ مثلاً" اچھی یا بری خبر کا دل اور روح پر اثر ہوتا ہے۔ روحانی چیزوں کا اثر روح پر ہوتا ہے۔ نظر پر ہوتا ہے' خیال پر ہوتا ہے' روح جسم کے اندر گندھی ہوئی ہے' جب روح پر اثر ہو گا تو جسم پر بھی اثر آئے گا۔ بعض دفعہ ان اثرات سے روح اتنی بیمار ہو جاتی ہے کہ جسم کا ٹھیک رہنا مشکل ہو جاتا ہے۔ جسم اور روح دونوں کا باہم رشتہ ہے۔ لہٰذا دونوں میں سے کسی ایک پر بھی اثر ہو تو دوسرا لازمی متاثر ہوتا ہے۔ بعض بیان جادو کا اثر رکھتے ہیں۔"

اس نے پلکیں جھپکیں۔ اسے بھی اس وقت خود پر جادو کا اثر لگ رہا تھا۔

"جادو میں عموماً" شیاطین یا ستاروں سے مدد مانگی جاتی ہے۔ مطلب غیر اللہ سے مدد طلب کرنا تب ہی جادو کو شرک میں شمار کیا جاتا ہے۔ مگر اہم بات جو ذہن نشین کرنا ضروری ہے وہ یہ کہ اثرات جیسے بھی ہوں اللہ کے اذن سے ہوتے ہیں۔ جس کا ذکر سورہ بقرہ میں بھی ہے کہ "جو لوگ بھی جادو سیکھتے ہیں جس سے وہ میاں' بیوی میں جدائی ڈال دیں تو ظاہر تھا کہ اذن الٰہی کے بغیر وہ اس ذریعے سے کسی کو بھی ضرر نہ پہنچا سکتے تھے۔" دیکھو جب عام بیماری بھی پھیلے تو اس کا وائرس اردگرد موجود ہوتا ہے۔ مگر اس کا اثر ہر ایک پر نہیں ہوتا بالکل اس طرح جادو کا اثر کچھ لوگوں پر بہت ہوتا ہے اور کچھ پر نہیں ہوتا۔ بندہ اللہ سے مدد مانگے تو محفوظ رہ سکتا ہے۔"

اس کے سامنے بیٹھی وہ عورت کیا تھی؟ صبر و شکر کی عملی تفسیر یا معلومات کا ذخیرہ۔ کبھی کبھی ایک چھوٹے سے علاقے میں، چھوٹے سے گھر میں اللہ تعالیٰ کیسے کیسے لوگوں کو اور ان۔ لوگوں کے دل میں کیسے کیسے خزانے چھپا رکھتا ہے۔

"کیا جادو برحق ہے؟" اس کے سوال پر انہوں نے آنکھیں کچھ دیر کو بند کر کے کھولیں۔

"جادو بالکل برحق ہے اور اس کا اثر ہوتا ہے۔ مگر صرف تب' جب اللہ چاہے۔ کیونکہ بہرحال اصل اختیار اللہ کے ہاتھ ہے۔ قرآن پاک میں ہی آتا ہے "کہ اور جادوگر کامیاب نہ ہو گا جہاں سے چاہے آئے۔"

نبی کریم اللہ کے رسول' سب سے زیادہ ذکر کرنے والے' ان پر بھی کچھ اثرات ہو گئے تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ کے اذن سے۔ کیونکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے امت کو سکھانا مقصود تھا۔ ایسے مواقع پر انسان کو صبر سے کام لیتے ہوئے اللہ سے ہی مدد طلب کرنی چاہیے۔"

ان کے جملے کے اختتام پر پردے کے دوسری طرف موجود شمعون خود کو نہ روک پایا۔ اس نے گفتگو کی اجازت طلب کی۔ بہت سے سوالات و ابہام اس کے ذہن میں ابھرے تھے جنہیں وہ دور کرنا چاہتا تھا۔

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جب جادو کروایا گیا تو

اس کے اثرات کیا تھے اور صحابہ کرام میں سے کسی پر بھی جادو کی کوئی مثال ملتی ہے؟" حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر جب جادو کیا گیا تو اس کا اثر یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ خیال فرماتے کہ میں نے یہ کام کرلیا ہے۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ نے نہیں کیا ہوتا تھا۔"

سونیا نے پھر سے استفسار کیا کہ عام جادو اور کالا جادو میں فرق کیا ہے تو وہ کافی سوچ بچار کے بعد بولیں۔

"عام جادو تعویذ کے ذریعے کروایا جاتا ہے یا لکھ کر کہیں دبایا جاتا ہے اور کالا جادو میں عموماً" نجاست سے قرآنی آیات لکھی جاتی ہیں۔ شیاطین کو خوش کرنے کے لیے قرآن کو دبایا جاتا ہے۔ قرآن کی آیات کو الٹا لکھا جاتا ہے۔ بعض اوقات قتل کرکے بھی جادو کروایا جاتا ہے۔ جادو کی صورت میں انسان اپنی عام عادات کے خلاف جاتا ہے۔" سونیا کو کنزیٰ اور پھر سے اپنا آپ یاد آیا۔

"بعض اوقات ڈراؤنے خواب آتے ہیں۔ قمیص کے کپڑے کاٹے جاتے ہیں۔ ڈراؤنے چہرے نظر آتے ہیں۔" اسے پھر سے اپنا خواب اور اپنے وقتاً" فوقتاً" پڑنے والے دورے یاد آنے لگے۔ خوف سے اسے جھرجھری آگئی۔

"کیا آپ ہماری رہنمائی کرسکتی ہیں کہ اس کا علاج کیا ہے؟ اور یہ سب کس نے کروایا ہے؟"

اس نے بے چینی سے پہلو بدلا تو شمعون نے ساتھ ہی سوال داغا۔ وہ جانتا تھا کہ مدد تو اللہ کی طرف سے ہے۔ مگر طب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں علاج تو ہوگا ہی انسان کی تقدیر میں بلاشبہ وہی تکلیف آتی ہے جتنی خدا نے لکھی ہوتی ہے اور اس کا بھی بخوبی اندازہ تھا کہ جو لوگ اللہ سے دور ہوجائیں۔ شیطانی افعال ان ہی پر زیادہ اثر انداز ہوتے ہیں۔ کہیں نہ کہیں کنزیٰ پر بھی اثرات نظر آئے تھے۔ مگر شاید اس کی پابندی نماز نے اسے بچالیا تھا اور سونیا کی زندگی میں اسی چیز کی کمی تھی۔

"حدیث شریف میں آتا ہے کہ ہر بیماری کی دوا موجود ہے۔ مایوس کبھی نہیں ہونا چاہیے۔ جب اللہ "کن" کہے گا تو سب ٹھیک ہوجائے گا۔ اس وقت آپ کا امتحان ہے کہ آپ اللہ سے کتنی مدد طلب کرتے ہیں اور کتنی غیراللہ سے۔ یہی وقت ہے اللہ کی طرف لوٹنے کا۔ کیونکہ اللہ ہی شفا دینے والا ہے۔

کچھ باتیں ذہن نشین کرلیں۔ شیاطین ہمیشہ گندگی پر زیادہ اثر انداز ہوتے ہیں۔ گندگی تو خود دعوت دیتی ہے جادو کو۔"

اس کے ذہن میں کوندا سا لپکا تھا۔ وہ نہانے کی چور تھی۔ نہ جانے کیوں اس معاملے میں وہ بے حد سست تھی۔

"علاج کے طور پر شرعی دم کرواسکتی ہیں یا طب نبوی سے مدد لیں۔ نماز باقاعدگی سے پڑھیں۔ قرآن مجید کی تلاوت کریں یا سنیں۔ خاص کر سورۂ فاتحہ پڑھیں۔ کیونکہ سورۂ فاتحہ سورۂ شفا بھی ہے۔ سورۂ بقرہ کی آخری دو آیات کی بڑی فضیلت ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ "جو کسی منزل پر پڑاؤ ڈالے اور اس منزل پر یہ دعا پڑھ لے تو کوچ کرنے تک کوئی چیز اثر نہ کرے گی۔" اس طرح صبح و شام کے اذکار پڑھیں۔ عبادات میں دوام ہونا چاہیے۔ دم بھی کرواسکتے ہیں۔ حدیث کے مطابق اس دم میں کوئی حرج نہیں ہے۔ جس میں شرک نہ ہو اور یہ یقین رکھے کہ سب کچھ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ معوذتین پڑھیں جو خصوصاً" اسی لیے اللہ کی طرف سے اتاری گئی ہیں۔ آیت الکرسی کی فضیلت پر تو کیا کہوں' زیادہ سے زیادہ پڑھیں۔ بیت الخلاء میں شیاطین بہت اثر انداز ہوتے ہیں۔ لہٰذا داخل ہوتے اور نکلتے وقت دعا پڑھ کر جائیں۔ کھانے پینے کا خیال رکھیں۔ کیونکہ سحر کے اثرات ان پر زیادہ ہوتے ہیں جن میں قوت مدافعت کم ہو۔ اسی لیے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "جس نے صبح و شام نہار منہ عجوہ کھجوریں کھائیں اس روز اس پر کوئی زہر یا جادو اثر نہیں کرسکتا۔" وہ چیزیں استعمال کریں جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرمائیں۔ جیسے شہد' کلونجی' زیتون کا تیل اور سب سے زیادہ صبر

کلام لیں اور دعا کریں۔ صدق دل سے دعا کریں۔

لوگ حسد تکلیف دینے کے لیے یا اپنے کسی مقصد کی تکمیل کے لیے جادو کرتے ہیں اور یہ یاد رکھیں کہ عموماً کوئی اپنا ہی جادو کرواتا ہے۔ کوئی بھی آپ کو اس شخص کا نام نہیں بتا سکتا جس نے جادو کیا ہے۔ بلاوجہ کسی پر شک نہ کریں۔ دعا کرتی رہیں۔ برائی کبھی چھپتی نہیں ہے۔ اللہ کبھی نہ کبھی یہ بھید کھول دیتا ہے۔ بس ضرورت یقین کی ہے۔ دل سے کی گئی دعا کی ہے۔"

شمعون کو لگا کہ وہ میاں جی کے سامنے ایک بار پھر سے آ بیٹھا ہے۔ پھر سے صدق دل سے کی گئی دعا اور یقین کا حل ہی سامنے آ رہا تھا۔ بار بار آ رہا تھا اور اسے لگتا تھا کہ ان ہی دو چیزوں کا ہی تو فقدان ہے اس کے پاس۔

وہ پردے کے اس پار بالکل خاموش بیٹھی سونیا کی کیفیت بھی محسوس کر رہا تھا۔ اس کے کمزور ایمان پر بڑی دھول چھٹی تھی۔ مگر اسے قوت صرف اس کی اپنی ذات ہی مہیا کر سکتی تھی۔ وہ دونوں اجازت لے کر کھڑے ہوئے تو نمو باجی ہلکا سا مسکرائیں۔

"بس ایک بات یاد رکھو، ہر رستہ انسان کو اللہ کی طرف ہی لے جاتا ہے۔ پھر چاہے انسان مرضی سے چل کر جائے یا زبردستی بلا لیا جائے۔ لوٹنا اسے اپنے اصل کی جانب ہی ہے اور انسان کی حقیقت اس کے رب سے جڑی ہے۔ یقین، دعا، صبر اور کلام اللہ سے کام لو تو ہر تکلیف تم سے دور کر دی جائے گی اور سکون تمہارے اندر باہر بھر دیا جائے گا۔"

انھوں نے اسے دعا دے کر رخصت کیا۔ جو دل ایمان سے خالی ہو گیا تھا۔ آج اسے پھر سے بھرا ہوا ملا۔ جب وہ گھر کی چوکھٹ سے باہر نکلی تو۔۔۔ کوئی علاج، کوئی دم نہیں کیا گیا تھا۔ محض رہنمائی اور ایمان کی تازگی کے سامان نے ہی اسے سیراب کر ڈالا تھا۔ وہ قدرے ہلکی پھلکی ہو گئی۔

ساتھ چلتا ہوا شمعون یہ سوچ رہا تھا کہ جو لوگ اللہ کے احکام پر عمل کرنے والے ہوں ان کے الفاظ بھی کسی سحر کی سی حیثیت رکھتے ہیں۔ لوگوں کے دلوں کو جھنجوڑ دینے والے۔ جو لوگ عمل سے کورے ہوں ان کے الفاظ بھی کھوکھلے ہوتے ہیں، اثر سے محروم۔

☆ ☆ ☆

بختیار بیگم نے رات میں کھانے کے بعد شمعون سے بات کرنے کے ارادے سے اسے اپنے کمرے میں آنے کے لیے کہا تھا۔ اس کے پیچھے پیچھے کنزیٰ بھی چلی آئی تھی۔ اسے بھائی کا ساتھ دینا تھا۔ کمرے میں آنے سے قبل وہ قطعاً اس سے ناواقف تھا کہ وہ کیا بات کرنے کے لیے اسے بلا رہی ہیں۔ بختیار بیگم نے پہلے سرسری سے انداز میں اس کی شادی کا ذکر چھیڑا تو وہ یہ کہہ کر ٹال گیا کہ کنزیٰ کی شادی سے قبل وہ اس بابت سوچنا نہیں چاہتا۔

"کیا تم کسی کو پسند کرتے ہو؟" بختیار بیگم کے سوال پر وہ گڑبڑا کر کنزیٰ کی طرف دیکھنے لگا تو کنزیٰ نے اثبات میں سر ہلاتے اسے تائید کرنے کا اشارہ کیا۔

"اماں۔۔۔ اس سوال کا کیا مطلب ہے۔ جب فی الحال مجھے شادی نہیں کرنا تو۔۔۔" اس نے کنزیٰ کو یکسر نظر انداز کر کے ماں سے سوال کیا۔

"وہ اس لیے کہ میں سونیا کے لیے سوچ رہی ہوں۔ تم دونوں میں بہت ذہنی ہم آہنگی ہے۔ تم اسے بہتر طریقے سے سنبھال سکتے ہو، اس صورت حال سے جس سے وہ گزر رہی ہے۔"

وہ بھونچکا رہ گیا تھا، جبکہ کنزیٰ کو ماں پر غصہ آنے لگا۔ جب وہ پہلے سے انھیں سونیا اور شمعون کے رشتے کی نوعیت بتا چکی تھی اور بھائی کی پسند کے متعلق بھی سب واضح کر چکی تھی تو اب اس سارے کھاتے کو کھولنے کا فائدہ۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی، وہ خود ہی بول پڑا۔

"خدا کے لیے اماں ابو اور میں، جس پاکیزہ رشتے میں بندھے ہیں اسے غلط رنگ مت دیں۔ سونی میرے لیے بالکل ویسی ہے جیسے کنزیٰ۔۔۔ بہن ہے وہ میری۔"

غصے کی تمازت سے اس کا چہرہ تپ گیا۔

"اچھا تو پھر عطیہ کے بارے میں کیا خیال ہے۔ اسے بھی بہنوں کی طرح سمجھتے ہو یا کوئی اور جگہ دینے کا ارادہ ہے؟"

وہ ہولے سے مسکرادیں تو کنزیٰ ساری بات سمجھ گئی کہ یہ ساری گفتگو اسے گھیر کر بیچ اگلوانے کے چکر میں کی جارہی تھی۔ اب کی بار وہ بھی ماں کے ساتھ مسکرادی۔ شمعون اس سوال پر بری طرح گڑبڑا گیا تھا "اس کا ذکر کہاں سے آگیا؟"

"جس کا ذکر تو آنا چاہیے تھا بیٹا جی۔" شمعون نے کنزیٰ کو گھورا تھا۔

"اسے کیا گھور رہا ہے؟ اِدھر میری طرف دیکھ کر جواب دے۔" بختیار بیگم نے اس کے کان کھینچتے ہوئے اس کا رخ اپنی طرف کیا۔

"اماں۔ کان تو چھوڑیں نا۔" ماں کے ہونٹوں پر رقصاں مسکراہٹ یہ باور کرانے کے لیے کافی تھی کہ وہ سب جانتی ہیں۔

"نالائق کہیں کا۔ ایک بار بھی تو نے مجھے نہیں بتایا۔ اگر جو میں بھابھی بیگم سے سونیا کا ہاتھ مانگ بیٹھتی تو؟ وہ تو شکر خدا کا میں نے کنزیٰ سے مشورہ کرلیا اور اس نے مجھے بتایا کہ میرا نونہال کس اڑان کو بھرنے کے خواب دیکھ رہا ہے۔" اس کے سر پر پیار سے چپت لگاتے وہ بڑی محبت سے بولیں تو وہ کھسیا گیا۔

"دعائیں دو بہن کو جس نے تمہارا کام آسان کیا۔" کنزیٰ اتراتے ہوئے بولی تو وہ دونوں ہنس دیے۔

"مگر عطیہ سے پہلے ان کی تین جوان اولادیں ہیں۔ اتنی جلدی وہ بھی عطیہ کی نہیں کریں گے۔" کچھ سوچتے ہوئے وہ اپنا خدشہ ظاہر کر گئیں۔

"ہمیں کوئی جلدی نہیں ہے۔ بس جب بھی کریں عطیہ کو ہی میری بھابھی بنائیں' ہے نا بھائی؟" وہ شرارت سے اسے دیکھ کر بولی تو وہ کھلکھلا کر ہنس دیا۔ بختیار بیگم کے چہرے پر بھی آسودہ سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

☼ ☼ ☼

لاہور سے لوٹنے کے بعد پوری رات وہ ذہن میں نمو باجی کا کہا گیا ایک ایک لفظ دہراتی رہی۔ اس کی روح بیمار تھی۔ اس کی روح پر اثرات تھے۔ اس کے خیالات پر اثرات تھے۔ اس کی نظر پر اثرات تھے۔ جب ہی وہ غیر مرئی چیزیں دیکھتی تھی' محسوس کرتی تھی۔ شیطان شیطان کا ساتھ دے کر اس کی روح کو ہر آنے والے دن کے ساتھ گھائل کررہا تھا۔ اس کے پاس واحد راستہ وہی تھا جو اللہ کی طرف جاتا تھا۔ وہ پوری زندگی اپنی مرضی سے اس راستے پر نہیں گئی تھی۔ مگر اب اس تکلیف کے باعث اس راستے پر جانے پر مجبور تھی۔ جبراً یا رضا سے جیسے بھی ہو' ہر انسان کو کبھی نہ کبھی تو اس راستے پر قدم بڑھانا ہی ہوتا ہے۔

اگلے روز بھی وہ صبح میں ان سب باتوں پر غور کرتی رہی۔ اس نے آیت الکرسی سنی۔ اس نے آیت الکرسی پڑھی۔ اس نے معوذتین سنیں۔ اس نے معوذتین پڑھیں۔ اس نے سورہ بقرہ سنی' اس نے سورہ بقرہ پڑھی۔ اس نے غسل کیا۔ اس نے بجوہ مجبوری نمازیں نہ کھانا شروع کیں۔ وہ اب کوشش کرتی تھی کہ باوضو رہے۔ اس نے تلاوت قرآن شروع کی۔ دل میں تو کبھی اونچی آواز میں۔ اس نے صبح و شام کے اذکار شروع کیے۔

اس نے کلام اللہ سے مدد طلب کی تھی۔ اب رہ گیا تھا یقین کامل' صدق دل سے کی گئی دعا۔ صبر تو بہرحال وہ کرہی رہی تھی۔ مگر اس سب کے باوجود جس چیز کے قریب نہ جانے وہ کیوں خود کو کر نہیں پارہی تھی وہ تھی نماز۔ نہ جانے کیوں اس کے پاؤں من من وزنی ہوجاتے' جب بھی وہ نماز کی غرض سے اٹھنے لگتی تو۔

اس سب سے اتنا تو ہوا تھا کہ اب وہ ہفتوں سے اسے وہ اسے ـــــ نہ دکھائی دیا' نہ محسوس ہوا تھا۔ مگر اصل کمی تو اب بھی تھی جو اسے محسوس ہوتی تھی اور وہ کمی تھی اندر باہر سکون کی۔

بہت عرصے بعد اس نے یوں جائے نماز بچھائی تھی۔ کتنی دیر وہ خالی الذہنی کی کیفیت میں گھری جائے

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

نماز پڑھنے مسجد کے محراب کو تکتی چلی گئی۔ جائے نماز پر پہلا قدم رکھتے اس کے جسم میں ایک کرنٹ سا پیدا ہوا تھا۔ دوسرا قدم رکھتے بے اختیار اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔ آج کتنے وقتوں بعد وہ نماز پڑھ رہی تھی۔ اسے خود بھی یاد نہیں تھا۔ روز وہ اسے نماز کے لیے بلاتا تھا۔ فلاح کی طرف آؤ۔ مگر وہ کبھی فلاح کی طرف نہیں آئی تھی۔ کفن لپیٹے اس کی پکار کو حتی الامکان نظر انداز کرتی رہتی تھی اور آج۔ تکبیر کہتے ہی وہ نماز پڑھنے لگی۔

"ایاک نعبدو ایاک نستعین" اسے بری طرح رونا آنے لگا تھا۔ آج وہ اپنی غرض کی خاطر ہاتھ باندھے تابعداری سے اس کے سامنے کھڑی تھی۔ اس ذات کے سامنے جس نے کبھی اسے عطا کرنے میں دیر نہ کی۔ اس کے مانگے بغیر بھی ہمیشہ دیا اور وہ جانتی تھی کہ وہ مانگے بغیر اسی طرح دیتا ہی رہے گا۔ ایسا ہی بے نیاز تھا وہ۔ سلام پھیرتے ہوئے گالوں پر بہنے والا گرم پانی گالوں سے نیچے گرنے لگا۔

"کیا مانگوں میں؟" اس کے لب آپس میں سختی سے پیوست تھے۔ دل کی آواز سننے والا اس کے بولے بغیر بھی سن رہا تھا۔ وہ خاموشی سے اوپر آسمان کی طرف نظریں اٹھائے بے آواز روتی رہی۔ آنسو بہتے چلے جارہے تھے اور وہ خاموشی سے اوپر آسمان پر تکتی چلی جارہی تھی۔

"اللہ!" بے اختیار اس کی زبان سے پھسلا تھا۔ دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا تھا۔ آج بہت وقتوں بعد اس نے اس طرح دل سے اسے پکارا تھا۔ پچھلے ایک سال سے وہ اس تکلیف میں مبتلا تھی۔ کیوں اتنے وقت اسے خیال نہیں آیا؟ یہ تکلیف اسی کی طرف سے تو تھی اور اس تکلیف سے نکالنے والا بھی وہی تھا۔ پھر اس کو پکارنے کی بجائے کیوں غیر اللہ کو پکارتی رہی؟ کیوں اس کے در پر آنے کے بجائے دربدر ٹھوکریں کھاتی رہی؟

نمو باجی نے کہا تھا کہ ہر تکلیف اللہ کے اذن سے ہوتی ہے اور اللہ ہی اسے دور بھی کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ اس نے آنکھیں موندلی تھیں اور ہاتھ رفتہ رفتہ ہوا میں بلند ہوتے چلے گئے۔

"اللہ۔" اس کا دل لرزا۔

"میرے اللہ۔" اپنے ہی الفاظ اجنبی سے لگے تھے۔ کتنے وقت بعد آج اس طرح دل سے اس نے اللہ کو اپنا کہا تھا۔ صرف اپنا' دل سے اپنے اللہ کو پکارا تھا۔

"میرے اللہ! تو ہی ہر طرح کی قدرت رکھنے والا ہے' مجھے اس تکلیف سے نجات دے دے۔ اس تکلیف سے نکالنے میں میری مدد کر جس میں پچھلے پورے سال سے میں مبتلا ہوں۔ میرے سامنے سچ لے آ اللہ' میرے سامنے سچ لے آ" دل کے پورے یقین سے میں تجھے پکار رہی ہوں کہ تو ہی اب مجھ پر سب کھولے گا۔" تواتر سے بہتے آنسوؤں میں شدت آگئی تھی۔

"تو ہی رازوں کا بھید جاننے والا ہے۔ اس بھید کو مجھ پر کھول دے۔ وہ کون ہے؟ کہاں ہے؟ اسے تو جانتا ہے۔ اللہ جس نے مجھے اس اذیت میں مبتلا کر رکھا ہے۔ میں جاننا چاہتی ہوں کہ کس نے میرے ساتھ یہ کیا ہے جو میری روح اور میرے جسم پر یوں اثر انداز ہوا ہے۔ مجھ پر عیاں کر دے اللہ تو کر سکتا ہے' کیونکہ تو علیم ہے تو حکیم ہے تو قادر ہے۔"

پورا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔ اس کی قمیص کا دامن اس کے آنسو بھگو گئے تھے۔ "ایاک نعبدو ایاک نستعین" وہ اس آیت کا ورد کرنے لگی اور کرتی ہی چلی گئی۔ سورہ فاتحہ جو سورہ شفا بھی ہے۔ قرآن کو کھولنے کی چابی کیا اس کی زندگی کا بھید کھول دے گی؟ وہ نہیں جانتی تھی مگر یقین واثق تھا کہ اللہ کی مدد آئے گی' ضرور آئے گی۔

پھر اس نے کتنی ہی بار آیت الکرسی کو پڑھا۔ کتنے سو بار' وہ نہیں جانتی تھی۔ جانتی تھی تو بس اتنا کہ وہ ظہر کی نماز پڑھنے آئی تھی اور اب عصر کی نماز کا وقت ہوا چاہتا تھا۔ اگر جادو میں کہے گئے الفاظ بار بار بولنے سے اس کی روح پر اثر کر سکتے تھے تو اس رب کا کلام بڑا ذوالجلال

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

بار پڑھنے سے اثر نہ ہوتا؟

دور کہیں مسجد سے موذن نے عصر کی اذان دی تھی۔

"ٹھک۔" یکدم اسے عقب میں آواز سی آئی تھی۔ نہ جانے کیوں اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ کسی انہونی کا خیال آیا تھا۔ وہ اس وقت چھت کی کوٹھری کے عقب میں بیٹھی تھی۔ جہاں اسے نیچے سے آنے والا کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا اور آواز یقیناً" کوٹھری کے اندر سے آئی تھی۔ جائے نماز وہیں چھوڑ کر، دبے قدموں 'بغیر چاپ پیدا کیے وہ کوٹھری کے سامنے کی طرف آئی تھی۔ کوٹھری کا دروازہ کھلا تھا۔ جب وہ اوپر آئی تھی تو اسے اچھی طرح یاد تھا کہ دروازہ مقفل تھا۔ مگر اس وقت اس کے کھلے ہونے کا مطلب اندر کوئی گیا تھا۔ کسی بھنبھناہٹ کی آواز پر وہ چونکی تھی۔ آگے بڑھتے اس نے دروازے سے کان لگا کر اس بھنبھناہٹ کو سننے کی سعی کی۔ الفاظ واضح نہ تھے۔ کوئی کچھ پڑھ رہا تھا۔ کسی ورد کی مانند۔ کون تھا وہ اور کیا پڑھ رہا تھا؟

"عموماً" ہمارے بہت قریبی لوگ ہم پر جادو کرواتے ہیں۔"

باجی کے الفاظ کانوں میں گونج تھے۔ اسے خوف سے جھرجھری سی آگئی۔ اس نے دروازے کی درز سے اندر جھانکا۔ پڑھنے والے کی پشت نظر آرہی تھی۔ مکمل چادر میں ڈھکی ہوئی پشت کے سامنے دھری پرانی سی چادر جس پر وہ جو کوئی بھی تھا۔ گرہ لگاتا کچھ باندھ رہا تھا۔ بلاشبہ وہ چادر اسی کی تھی جو پچھلے سال کہیں کھو گئی تھی۔

نہ جانے اندر کون تھا اور کیا کر رہا تھا؟ اس نے پھر سے آیت الکرسی کا ورد شروع کیا۔ ایک ایک لفظ کا ترجمہ ذہن میں دہراتی پورے انہماک سے پڑھے چلے جارہی تھی۔

"کیا اللہ کے اذن سے آج اسے علم ہونے جارہا تھا؟ کیا اللہ اسے بتانے والا تھا؟"

"اللہ اگر یہاں تک مجھے لایا ہے تو علم کا وہ حصہ دے دے جو مجھ سے مخفی ہے۔ اس شخص کو میرے سامنے کر دے۔ اللہ اسے میرے سامنے لے آ۔" دعا اب کی بار دل کی گہرائیوں سے نکلی اللہ کے دربار تک گئی تھی۔ اندر کچھ پڑھتا وہ شخص اس طرح سے مڑا تھا کہ اس کا سائیڈ رخ اس کے سامنے ہوا۔

"یہ۔" اس پر حیرتوں کا پہاڑ ٹوٹا تھا۔ وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے اندر موجود شخص کو دیکھ رہی تھی جو چادر کو پھر سے ٹرنک کے نیچے چھپانے میں جتا تھا۔ اللہ نے سچ کو آج اس پر کھول دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

کھیتوں کی طرف جانے والا دروازہ کھولتے اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تھا۔ گھر بھر اپنے کاموں میں منہمک تھا۔ کسی کا دھیان اس پر نہ گیا کہ وہ کدھر کے ارادے رکھ کر یہ راستہ استعمال کیے ہوئے ہے۔ کھیتوں کے بیچ پگڈنڈیوں پر تیز تیز چلتے اس نے پھولے ہوئے سانس کے ساتھ پیچھے مڑ کر دیکھا۔ گھر بہت پیچھے رہ گیا تھا۔ مقامی آبادی وہاں آکر ختم تھی۔ اس کی رفتار مزید تیز ہوئی۔ رخ قریبی گاؤں کی جانب برگد کے بوڑھے درخت کے قریب اس کٹیا کی طرف تھا۔ جہاں تعویذ گنڈے اور کالا جادو کی ماہر اماں بیلی رہتی تھی۔

اماں بیلی بظاہر تو لوگوں کی مشکلات و مسائل کے حل کے لیے انہیں تعویذ لکھ کر دیتی تھی۔ مگر کسی سے اس نے سن رکھا تھا کہ وہ در حقیقت منہ مانگی قیمت پر جادو ٹونے اور جنتر منتر کرتی ہے۔ وہ سلیہ تعویذ لینے کی غرض سے ہی تیز تیز چلتا منزل کی جانب بڑھ رہا تھا۔ دن میں نکلنا قدرے مشکل کام تھا۔ تب ہی اس نے رات کا انتخاب کیا تھا۔ اپنا دل بھی بری طرح دھڑک رہا تھا۔ مگر اندر لگی اس آگ کا کیا جو ہر قدم رکھنے سے مزید تیزی پکڑتی چلی جارہی تھی۔

ابھی محض مغرب کی وجہ سے ملگجا سا اندھیرا ہی پھیلا تھا۔ لہٰذا اسے باآسانی سب دکھ رہا تھا۔ تاہم واپسی پر اسے دیر ہونے کی صورت میں کھیتوں کا رستہ اپنانے پر مشکل پڑ سکتی تھی۔ گاؤں کے اس طرف

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

ایک کچی سڑک بھی جاتی تھی جو کھیتوں سے ہٹ کر تھی۔ مگر وہ لمبا راستہ تھا۔ دیر ہونے کی صورت کیا بہانہ گھڑا جاتا؟ خیر بہانے تو بہت سے تھے۔ وہ سایہ ذہن میں تمام کہانی کی بنت کے ساتھ مسکرا دیا۔ زہریلی ہنسی ہنستے وہ اور تیزی سے قدم اٹھانے لگا تھا۔

اماں بیلی کی کٹیا تک پہنچ کر اس نے لکڑی کا وہ ٹوٹا دروازہ کھٹکھٹایا اور اندر جھانکا جہاں اماں بیلی کسی وظیفے میں مصروف آنکھیں بند کیے' چادر سر پر لیے مست جھوم رہی تھی۔ دروازے پر ہونے والی دستک کے باعث اس نے آنکھیں کھولیں جو انگارے برسا رہی تھیں۔

"آجا۔ اور جلدی بول تجھے کیا چاہیے؟ میرے چلہ کاٹنے کا وقت ہونے والا ہے۔" اماں بیلی کی آنکھوں میں ایک شیطانی چمک تھی۔ اس نے جھٹ اپنا مدعا بیان کیا۔

"ہو جائے گا تیرا کام۔ بس ذرا نوعیت مختلف ہوگی۔ دیکھ اگر تجھے یہ کام کروانا ہے تو تعویذ کے بجائے جادو سے کام لے۔ اس کے لیے تجھے مریض کا کوئی استعمال شدہ کپڑا لانا پڑے گا۔ اور لڑکی کے سر کے بال بھی باقی کام مجھ پر چھوڑ دے۔ ایک بات یاد رکھ معاوضہ میرے مطابق ہوگا۔ اب جا۔" اماں بیلی پھر سے آنکھیں موندے تیز تیز جاپ کرنے لگی اور وہ سایہ اندھیرے میں گم ہو گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ اپنے لرزتے وجود کو واپس جائے نماز تک لے آئی اور برستی آنکھوں سے اس نے عصر کی نماز ادا کی۔

ذہن پر ایک ہی سوال تھا" آخر کیوں؟

پورے جسم پر چیونٹیاں سی رینگ رہی تھیں۔ اوپر سے وہ کس طرح اپنے گرتے پڑتے وجود کو کھینچتی نیچے صحن میں دھری چارپائی تک لائی۔ وہ نہیں جانتی تھی۔ کیسا بھیانک سچ کھلا تھا۔ کسی اپنے کا پیٹھ میں چھرا گھونپنا کیا ہوتا ہے۔ یہ وہ جان گئی تھی۔ کیسا درد اٹھا تھا جس نے سال بھر کے درد کو مات دے دی تھی۔

"چائے۔" کتنی دیر سے گم صم بیٹھی سونیا کو صفیہ نے چائے کا کپ پیش کیا تو اس کی سوچوں کا تسلسل ٹوٹا۔ اس نے عجیب سی نظروں سے صفیہ کو دیکھا۔ اس کی نظروں میں کیا تھا جو صفیہ کو الجھا گیا تھا۔

"کیا ہوا' طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔ کب سے یہاں چپ چاپ بیٹھی ہو۔ کچھ ہوا ہے کیا؟" وہ وہیں اس کے پاس آکر بیٹھ گئی۔ اس کی گلابی رنگت میں زردیاں سی گھلتی گئیں تو صفیہ کی پریشانی میں مزید اضافہ ہو گیا۔

"مغرب ہونے کو ہے اندر چلو۔" صفیہ نے اس کی پیشانی چھو کر دیکھی تو وہ بالکل ٹھنڈی پڑی تھی۔

"صوفی!" اس کے لبوں میں ہلکی سی جنبش ہوئی۔

"مجھے معوذتین سناؤ گی؟"

اس کی انوکھی فرمائش پر صفیہ لمحہ بھر کو ٹھٹکی پھر سر اثبات میں ہلاتی اس کے برابر بیٹھی معوذتین پڑھنے لگی۔ آنکھیں برس رہی تھیں اور دل گویا کلن بن گیا تھا۔ ایک ایک لفظ دل پر نقش ہو رہا تھا۔ برآمدے میں داخل ہوتی بختیار بیگم ٹھٹک کر رکی تھیں۔

"سونی کی طبیعت خراب ہے پھر سے؟" بختیار بیگم بھی حیرت سے کھڑی رہ گئیں۔

"بس۔" سونیا نے ہاتھ اٹھا کر یکدم اسے روک دیا۔ صفیہ نے کن اکھیوں سے اس کی جانب دیکھا جو اپنی آنکھوں کو رگڑ رگڑ صاف کر رہی تھی۔ تب ہی شمعون گھر میں داخل ہوا تھا۔

"شمعون!" وہ بے چین سی ہو کر کھڑی ہوئی۔

"کیا ہوا ہے سونی؟" وہ اس کے قریب کھڑا ہو پوچھ رہا تھا۔

"اللہ نے بھید کھول دیا مجھ پر شمعون۔" وہ ہذیانی انداز میں چلاتی اس کی طرف لپکی تھی۔ وہ حیرت میں کھڑا اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"اللہ نے مجھے بتا دیا دکھا دیا سب۔" وہ اس کا گریبان تھامے بے آواز رو رہی تھی۔ اس کو سمجھ میں نہیں آرہا تھا وہ کیا رد عمل ظاہر کرے۔

"تم اوپر جاؤ اوپر۔ کوٹھڑی میں میری چادر پڑی ہے۔"

وہی کالی چادر جس پر سبز پھول ہیں جو ارباب نے مجھے لاہور سے لا کر دی تھی۔ وہ لے کر آؤ۔" اس نے اس کا گریبان چھوڑ دیا تھا وہ بے یقینی سے پیچھے ہٹا۔

وہ اس کی بات سن کر ایک لمحہ ضائع کیے بغیر اوپر بھاگا۔ صحن اور برآمدے میں کھڑے سب لوگ بے یقینی اور حیرت کے ملے جلے جذبات سے مغلوب تھے۔ شمعون کوٹھڑی کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ شام کے گہرے اندھیروں کے باعث ہر چیز تاریک ہو گئی تھی۔ ہاتھ بڑھا کر اس نے دروازے کے برابر لگے سوئچ کا بٹن آن کیا۔ ساری کوٹھڑی روشنی میں نہا گئی۔

تھوڑی دیر وہ یونہی کھڑا رہا پھر تمام سامان ٹٹولنا شروع کیا۔ چارپائی کے نیچے رکھے ٹرنک کو گھسیٹ کر اس نے باہر نکالا تو ٹرنک کے سب سے اوپر ہی اسے وہ چادر نظر آ گئی۔

کالی چادر سبز پھولوں والی یقیناً وہی تھی جو پچھلے سال اچانک کھو جانے پر سونیا نے ہنگامہ بپا کیا تھا۔ چادر کے درمیان میں موٹی سی گانٹھ لگی تھی جس کو کھولے بغیر وہ اسی طرح اٹھا کر نیچے لے آیا۔ اس کے ہاتھ میں پکڑی چادر کو دیکھ کر بہت سے لوگوں کی آنکھوں میں سراسیمگی تیر گئی۔ شمعون نے اس کی گانٹھ کو کھولنا چاہا۔

"یہ گرہ میں کھولوں گی۔" اس کے ہاتھ وہیں تھم گئے اور چادر اس کی جانب بڑھا دی۔ سورہ فلق کی تلاوت کرتے اس نے چادر تھام لی۔

"کہو میں پناہ مانگتی ہوں صبح کے رب کی' ہر اس چیز کے شر سے جو اس نے پیدا کی ہے اور رات کی تاریکی کے شر سے جبکہ وہ چھا جائے۔"

"سونی خبردار مت کھولنا۔" اس کے کان میں کسی نے سرگوشی کی تھی۔ اس کا دل جیسے بند ہو گیا' ہاتھ کھولتے کھولتے تھم سے گئے تھے۔ حلق میں پھر سے کانٹے اگنے لگے۔ "کیا ہوا ہے سونی کھولو نا' تم نے پڑھنا کیوں بند کیا؟ تلاوت جاری رکھو اور کھول دو۔" شمعون نے اسے جھنجوڑ ڈالا۔ اس نے ہر خیال' ہر آواز' ہر وسوسے کو جھٹک دیا اور پھر سے تلاوت کرنے لگی۔

"اور گرہوں میں پھونکنے والوں کے شر سے' اور حاسد سے جبکہ وہ حسد کرے اور حاسد سے جبکہ وہ حسد کرے اور حاسد سے جبکہ وہ حسد کرے۔" گرہ کھل چکی تھی۔ گانٹھ کے کھلنے پر بالوں کا گچھا نیچے اینٹوں کے پکے فرش پر گرا تو سب حق دق رہ گئے۔

"یہ میرے وہ بال ہیں جن پر اثر کرایا گیا تھا۔ دکھ اس اثر کرنے کا نہیں بلکہ اثر کروانے والے کا ہے۔" اس کے لبوں پر ایک زخمی سی مسکراہٹ ابھری۔

"ممو باجی کہتی ہیں جادو ٹونا بہت قریبی لوگ ہی کرواتے ہیں' وہ بالکل صحیح کہتی ہیں۔" اس نے ایک جتاتی ہوئی نظر سب پر ڈالی۔

"کس نے کی ہے یہ حرکت تم جانتی ہو اسے؟" عبدالغنی صاحب دھاڑے تھے۔

"کاش کہ میں نہ جانتی ہوتی۔" وہ پلک جھپکے بنا سامنے دیکھ رہی تھی۔ شمعون نے اس کی نگاہوں کے تعاقب میں نظریں دوڑائیں۔

"میں چاہتی ہوں ابو کہ اسے بولنے کا موقع دیا جائے کہ اس نے یہ کیوں کیا؟ میں وجہ جاننا چاہتی ہوں۔" اس کے لیے اس شخص کا نام سب کے سامنے لانا سوہان روح تھا مگر بہرحال اسے سال سے چلتا کھیل ختم کرنا ہی تھا۔ عبدالغنی صاحب نے بیٹی کی بات کا مان رکھنے کے لیے ہامی بھر لی۔

"میں اوپر کوٹھڑی میں آپ کو دیکھ چکی ہوں اس لیے بہتر ہوگا آپ خود ہی اعتراف کر لیں۔" اس نے دانستہ نام لینے سے اعراض برتا۔ اس کے اعلان سے سب لوگوں نے ایک ہی شخص کو واضح طور پر چونکتے اور پیچھے ہٹتے دیکھا تھا اور سب گویا سناٹے میں آ گئے تھے۔ سب کو یقین نہیں آیا کہ وہ شخص اتنی سادہ لوح فطرت' بے ضرر سی فرحت بہار تھیں۔

"فرحت!" بختیار بیگم جن کے مجرم ثابت ہونے پر ہاتھ پیر ڈھیلے پڑ گئے تھے' نڈھال سی ہو کر رہ گئی تھیں۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

"اماں؟" ان چاروں کی نظروں میں تو گویا آسمان گھوم گیا تھا۔ فرحت بہار دھواں دھواں ہوتے چہرے کے ساتھ بت بنی کھڑی تھیں۔

"بتائیں اماں! یہ کیا ہے؟" ثوبیہ نے دکھ سے پوچھا تھا۔ عجیب سی بے یقینی تھی۔

"کوئی اپنی بچیوں کے ساتھ بھی یوں کرتا ہے؟ گھر کی بچیوں کے ساتھ۔ ہماری بچیاں کیا تیری بچیاں نہیں تھیں پھر کیوں کیا یہ سب؟" سکینہ خاتون وہیں برآمدے کی سیڑھیوں پر ڈھے سی گئی تھیں۔

"نہیں ہیں میری بچیاں۔۔۔ کسی دوسرے کی بچیاں اپنی بچیاں نہیں ہوتیں بھابھی بیگم! میری بچیاں اگر آپ کی بچیاں ہوتیں تو میری بچیوں کے بارے میں بھی کوئی تو سوچتا۔ چار چار یتیم بچیوں کا بوجھ کیا ہوتا ہے وہ مجھ سے پوچھیں۔ سنا کہ وہ سونیا کنزیٰ جیسی خوب صورت نہیں مگر قبول صورت تو تھیں پھر کسی کے دل میں بھی کیوں ان کا خیال نہ آیا؟ یہ سامنے کھڑی میری بہن جس کا ایک ہی بیٹا ہے اس نے بھی اپنی بہن کی بچیوں کے بجائے عطیہ کو ترجیح دی۔ راحیلہ باجی نے بھی اس گھر سے رشتہ جوڑنا چاہا تو اماں نے فوراً سونیا کو آگے کر دیا۔ میری چار چار بیٹیاں کسی کو نظر ہی نہ آئیں۔ اور بھابھی بیگم! آپ کے دو جوان بیٹے ہیں' ارباب کے لیے آپ نے پسند کیا بھی تو کنزیٰ کو اور بابر کے لیے اپنی بھتیجی کا سوچے بیٹھی تھیں۔ اسی لیے میرے اندر کی ماں اتنی خود غرض ہو گئی کہ اگر اس گھر سے میری کسی بیٹی کی ڈولی نہ اٹھے گی تو کوئی دوسری بیٹی بھی رخصت نہ ہو گی۔ شروعات تو میں نے کنزیٰ سے کی تھی۔ جب محمود بھابھی کنزیٰ کا رشتہ لائیں مگر کنزیٰ کے خود ہی انکار کر دینے پر میں پیچھے ہٹ گئی مگر سونیا کے لیے پے در پے آنے والے رشتوں نے مجھے اس راہ پر چلنے پر مجبور کر دیا۔" ان کے زہر خند لہجے پر سب ہی ساکت تھے۔ کبھی نہ بولنے والی فرحت بہار بولیں بھی تو کیا؟ سامنے کھڑی فرحت بہار اس فرحت بہار سے کتنی مختلف تھیں جنہیں وہ سب جانتے تھے۔

"اور اس سب میں آپ کی اپنی بیٹیاں جس ذہنی اذیت کا شکار رہی ہیں اس کا ذرا سا بھی احساس نہیں ہوا آپ کو؟ ایک بار ہم چاروں کے بارے میں تو سوچا ہوتا آپ نے۔ سونی ہم سے الگ تو نہ تھی اماں! ہم میں سے ہی تھی۔ ہمارا حصہ تھی وہ۔ ایک بار بھی رحم نہ آیا آپ کو اس معصوم لڑکی پر۔" کنول کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ اس کے دکھ زیادہ کڑا تھا یا پشیمانی اور ذلت کا احساس۔

"میں قسم کھا کر کہتی ہوں۔ میری نیت نقصان پہنچانے کی نہیں تھی۔ میں یہ سب نہیں کروانا چاہتی تھی۔ مگر شیطان نے ایسا میری عقل پر قبضہ کیا کہ میں سب بھول ہی گئی۔"

"آپ کی کوئی تاویل ہمیں مطمئن نہیں کر سکتی اماں۔ گناہ کی طرف بڑھنے والا پہلا قدم ہی بالآخر انسان کو کھائی میں دھکیلتا ہے اگر انسان اپنے اٹھتے قدموں کو وقت پر نہ روکے۔ آپ نے سونیا کو ہی نہیں ہمیں بھی اتنی ہی اذیت سے دوچار کیا ہے۔" ثوبیہ تڑپ اٹھی۔

"جو کچھ بھی کیا۔ اپنی ممتا سے مجبور تم چاروں کی بھلائی کے لیے ہی کیا۔" وہ آگے بڑھتے ثوبیہ اور صفیہ کا ہاتھ تھامتے ہوئے بولیں لیکن دونوں نے نفرت سے جھٹک دیا۔

"بھلا؟ کیسا بھلا اماں؟ کیسی ممتا؟ یہ کیسا بھلا تھا جس میں ہم چاروں بھی سال بھر سے تکلیف اور خوف میں مبتلا ہیں۔ آپ کسی اور کی قسمت کو جادو ٹونے اور اثرات سے اپنی بیٹیوں کی قسمت بنانے چلی تھیں۔ ایسے قسمتیں بدل جاتی ہیں کیا؟ ان جنات سے' ان شیطانی کاموں کے زور سے آپ نعوذ باللہ اللہ کے فیصلوں میں رد و بدل کرنے چلی تھیں۔ کیا ملا آپ کو یہ سب کر کے اماں؟ کون سے ہاتھ پیلے ہو گئے آپ کی بیٹیوں کے؟ کتنی قسمتیں بدل دیں آپ نے ہماری؟ آپ کے گناہ نے آپ کی اپنی آخرت تو برباد کی ہی ہے ہماری زندگی بھی تباہ کی ہے۔ پوری زندگی اب ہم اپنوں سے کیسے نظر ملا پائیں گے۔ کیسے جی پائیں گے اس گھر میں سر اٹھا کر ہم؟ جس گھر نے آپ کی اولاد کو سائبان

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

ہونے کا مان دیا' اسی کو تباہ کیا آپ نے۔ جس شخص نے آپ کی اولاد کو باپ کا پیار دیا' سر پر ہاتھ رکھا آپ کی یتیم اولاد کے' اسی شخص کی اولاد کو تباہ و برباد کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی آپ نے۔ ہم چاروں اب کیسے جی پائیں گے اماں؟ جن کی آپ جیسی ماں ہو' اس اولاد کو ویسے ہی مرجانا چاہیے۔"

صنفیہ کے بجل بجل گرتے آنسو اور زبان سے نکلتے الفاظ کے نشتر ان کے دل کے پار ہو گئے تھے۔ اگر قیامت آنے کا مطلب ہر طرف تباہی' ہر رشتہ ختم ہونا ہی ہے تو آج کا دن ان کے لیے قیامت ہی تو تھا جب آشیانہ خود ان کے ہاتھوں بکھر گیا تھا۔ اپنے ہر رشتے کو اپنے ہاتھوں سے آگ لگا ڈالی تھی۔

صحن کے وسط میں گری چادر اور بالوں کے گچھے کو اٹھا کر صنفیہ نفرت سے ایک طرف لے گئی۔ مٹی کا تیل اٹھا کر سب کے سامنے اس نے چھڑکا اور تیلی دکھا کر خود پرے ہٹ گئی۔ صحن کے بیچوں بیچ چادر اور بال دھڑا دھڑ جل رہے تھے ساتھ ہی ان چاروں کے دل بھی۔ وہ روتے ہوئے اس جلتی چادر کو تکتی چلی جا رہی تھی۔

"جادو ٹونا کرنے والے کے لیے ہمارے دلوں میں اور اس گھر میں کوئی جگہ نہیں۔" اپنی طرف بڑھتی ماں کو صنفیہ پرے دھکیلتی اندر کی جانب بھاگی تو وہ تینوں بھی اس کے پیچھے ہی گئیں۔ سب ایک سرد اور نفرت بھری نگاہ سامنے کھڑی اس عورت پر ڈال کر اندر چلے گئے جسے اپنی اولاد نے ہی نفرت و حقارت سے دھتکار دیا تھا۔

"سونیا! مجھے معاف کر دے۔ میری بیٹیوں سے کہہ' مجھ سے یوں منہ نہ پھیریں۔ ان کی ماں نے ان کی محبت میں سب کیا۔ میں ان کی محبت میں اندھی ہو گئی تھی۔" اب کی بار وہ صحن میں کھڑی سونیا کی طرف بڑھی۔

"چاچی! آپ محبت میں نہیں حسد میں اندھی ہو گئیں۔ انسان کا حسد ہی اسے اس حد تک گراتا ہے' آنٹ کمیں۔" اس نے تاسف سے اپنے قریب کھڑی اس عورت کی جانب دیکھا جو حسد کی آگ میں تو پہلے سے ہی جل رہی تھی اب اسے سب کی نفرت کی آگ میں بھی جلنا تھا۔

"یقین مان' میرا دل کٹتا تھا تجھے اس حال میں دیکھ کر' مگر نجانے میرے دل و دماغ پر ایسا قبضہ کیا شیطان نے کہ میں... تو مجھے بخش دے تو میری بیٹیاں بھی مجھے بخش دیں گی۔"

روتی بلکتی وہ اس کے سامنے ہاتھ جوڑ رہی تھیں۔ وہ خاموشی سے بنا کچھ کہے وہ اٹھ کر اندر چلی آئی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ اپنی پیکنگ کر رہی تھی۔ کل صبح اسے گجرات کے لیے نکلنا تھا۔ مغرب کی نماز پڑھ کر اس نے اپنا سارا سامان بیگ میں رکھنا شروع کیا۔ اپنے تمام کپڑے اور ضروری سامان اس نے بڑے بیگ میں بھر لیا تھا اور دیگر چھوٹا موٹا سامان چھوٹے بیگ میں بھرتے اس نے آخری بار جائزہ لیتے ہوئے بیگ کی زپ بند کی۔ تب ہی صنفیہ اس کے قریب آکر بیٹھ گئی۔ اس کے چہرے کے تاثرات سے ہویدا تھا کہ وہ کسی ذہنی تناؤ کا شکار ہے۔

"کیا بات ہے' سب خیریت ہے نا۔ یہ منہ پر بارہ کیوں بج رہے ہیں جناب کے؟" اب وہ بیگ میں جگہ بناتی اپنا جوتوں والا تھیلا ڈال رہی تھی۔

"تم نے تائی اماں کو کیوں کہا ہے میرے اور ثوبیہ کے رشتے کے لیے جبکہ..." اس نے دانستہ بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔ اسے پہلے سے اندازہ تھا کہ اس کے چہرے کا تناؤ اسی وجہ سے ہو گا للذا اس نے خاص توجہ نہ دی تھی۔

"اس میں اتنا پریشان ہونے والی کیا بات ہے؟" وہ ہلکے پھلکے انداز میں بولتی بیگ کی زپ بند کرتی دونوں بیگوں کو دھکیل کر ایک طرف رکھنے لگی۔

"تم نے کیوں منع کیا ہے؟ اماں کی وجہ سے نا' انھوں نے جو کیا میں ہزار بار تم سے معافی مانگ چکی ہوں تو پھر؟" بیگ جگہ پر رکھ کر وہ اس کے سامنے آکر اس کی

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولی۔

"کیونکہ ابھی میری منزل کوئی اور ہے اور عطیہ کا تو تم بہت پہلے سے جانتی ہو کہ وہ اور شمعون... اور میری موٹی بہن! میں وہ سب کب کا بھلا چکی ہوں۔ تم کیوں ہر چھوٹی سے چھوٹی بات پر گلٹی فیل کرتی ہو؟ جبکہ تمہارا تو سرے سے قصور ہی نہیں۔"

"مگر..." وہ کچھ کہنا چاہتی تھی جب سونیا نے اس کی بات بیچ سے ہی اچک لی۔

"کوئی اگر مگر نہیں۔ تم بس تیاری کرو دونوں' جب میں اگلے ویک اینڈ پر لوٹوں گی تو تم دونوں کی منگنی ہوگی۔ سچ میں کتنا مزہ آئے گا۔" وہ دونوں ہاتھوں کو آپس میں پیوست کرتی ایک پاؤں پر گھوم گئی۔ صفیہ خاموشی سے اس کی صورت تکتی رہ گئی تھی۔ کل اس نے گجرات چلے جانا تھا اور آج اسی لیے وہ اس سے ساری بات صاف کرنے کے لیے آئی تھی مگر وہ سونیا تھی' سونیا عبدالغنی جس سے وہ آج تک کبھی بحث میں جیت نہ پائی تھی۔

چار ماہ لگے تھے اسے خود کو پھر سے بالکل نارمل کرنے میں۔ شروع شروع میں گھر کا ماحول اتنا کشیدہ رہا تھا کہ در و دیوار سے وحشت ٹپکتی تھی۔ ان چاروں کے کہنے پر فرحت بہار روتی ہوئی گھر سے چلی گئی تھیں۔ ان کے بھائی شیخوپورہ میں مقیم تھے جہاں ان کا آبائی گھر تھا۔ آہستہ آہستہ حالات بہتر ہوتے گئے تھے۔ وہ چاروں بار بار اس سے معافی مانگ چکی تھیں بالخصوص صفیہ جو ان کی بڑی بیٹی تھی۔

سونیا نے اسے گلے لگا کر صاف کہہ ڈالا تھا کہ وہ ان چاروں سے قطعاً "ناراض نہیں ہے کہ ان چاروں کا تو سرے سے کسی قسم کا قصور نہیں رہا تھا۔ مماں کے گناہ نے انہیں سب کے سامنے مجرم بنا دیا تھا۔ اپنے کمرے سے نکلنا اور سب کے درمیان بیٹھنا انہوں نے چھوڑ دیا تھا۔ تب امی نے ان چاروں کو واپس گھر کے مکینوں سے جوڑا' انہیں باور کروایا کہ ان کا کوئی قصور نہیں' وہ سب اس گھر کا حصہ ہیں۔ مگر ان چاروں کے اندر جو احساس ندامت پنپ رہا تھا اس نے جانے میں بہت وقت لیا۔

پھر سکینہ خاتون نے صفیہ کو بٹھا کر اس سے ارباب کے بارے میں مرضی جاننا چاہی۔ وہ ہونقوں کی طرح ان کی شکل دیکھے گئی۔ اس گھر کا اتنا احسان تھا ان سب پر کہ وہ انکار نہ کر پائی۔

سکینہ خاتون نے بھی ماں کی طرح اسے گلے لگا لیا۔ اور وہ ان کے گلے لگی یہ سوچ رہی تھی کہ انہوں نے اپنے بیٹے کے لیے اس بدنما داغوں والی لڑکی کا انتخاب کیوں کیا؟ محض ان کی ماں کی اس حرکت اور طعنوں کی وجہ سے۔ سونیا کا دل نہیں مان رہا تھا کہ اماں نے ارباب کے لیے صفیہ کا رشتہ مانگا ہے۔ اس لیے نہیں کہ اس کا ہونہار بھائی اور چیچک کے داغوں والی اس کی کزن کا کوئی جوڑ نہیں تھا بلکہ اس لیے کہ اس کی اتنا پیارا دل رکھنے والی کزن کے لیے اس کا شوہر بھائی ہرگز قابل قبول نہیں تھا اس پر مستزاد یہ کہ اس کے نکاح کی خبر بھی اڑی ہوئی تھی۔ ان ہی دنوں وہ کسی کام کی غرض سے چھت پر گئی جہاں صفیہ موبائل پر اپنی کسی سہیلی سے بات کرتے استہزائیہ ہنسی۔

"تہمینہ! میں اس دور میں برص کی مریض کی مانند کسی عیسیٰ کا انتظار کروں جو آکر ہاتھ پھیرے گا تو میرا کوڑھ زدہ وجود ٹھیک ہو جائے گا۔ اگر اس نے شادی بھی کر رکھی ہے تو بھی مجھے دوسری بیوی بننے پر اعتراض نہیں ہے۔ میرے جیسی لڑکی کے لیے کوہ قاف کا شہزادہ تو نہیں آئے گا جس کا باپ بھی نہ ہو جس کی ماں نے اسی گھر کو تباہ کیا جس نے اسے سہارا دیا۔"

سونیا کا دل نجانے کیوں بھر آیا تھا۔ وہ جلدی سے نیچے چلی آئی اور ان ہی دنوں انکل زبیر نے اپنے دونوں بیٹوں کے لیے عطیہ اور سونیا کا رشتہ مانگا تھا۔ سکینہ خاتون نے سوچنے کے لیے مہلت طلب کی تھی اور تب ہی بہت سوچ بچار کے بعد وہ اس فیصلے پر پہنچی تھی۔

اس نے عبدالغنی صاحب سے آگے پڑھنے کی اجازت طلب کی تھی اور انہوں نے خاموشی سے اسے اجازت دے دی تھی۔ وہ بے حد خوش تھی کہ اب وہ

آگے پڑھ پائے گی۔ اس نے کسی کو بھی بتائے بغیر بابر سے گجرات یونیورسٹی کا پراسپکٹس منگوالیا تھا اور فوراً" ہی فارم پر کرکے جمع بھی کرا دیے تھے۔

اس کا ایڈمیشن ہوگیا تو اس نے سارے گھر والوں کو مطلع کیا تھا۔ سکینہ خاتون نے اسے آڑے ہاتھوں لیتے اس کے وہ لتے لیے کہ وہ کچھ کہہ ہی نہ پائی۔

"اماں! میری ایک بات مانیں گی؟" ماں کی گردن کے گرد بازو حمائل کرتے اس نے بڑی لجاجت سے کہا تو سکینہ خاتون کا ماتھا ٹھنکا۔

"اماں! انکل زبیر نے جو آصف، عاطف کے رشتہ کے لیے کہا ہے آپ میرے اور عطیہ کی جگہ وہی رشتہ صفیہ اور ثوبیہ کے لیے طے کردیں۔" سکینہ خاتون نے ایک جھٹکے سے اسے خود سے الگ کیا تھا۔

"دماغ جگہ پر ہے تمہارا؟"

"اماں میری بات آرام سے سنیں۔ ارباب بھائی اور صفیہ کا کوئی میچ نہیں ہے۔ جو شخص اپنے ماں باپ کا نہ ہو سکا وہ صفیہ سے کیا وفا کرے گا۔ اماں! اگر آپ اپنی بہو بنانا ہی چاہتی ہیں تو کنول کے بارے میں سوچیں۔ بابر اسے پسند کرتا ہے۔"

سکینہ خاتون تو حیرت سے منہ کھولے اس کی صورت ہی تکتی رہ گئیں۔

"اماں آپ کہتی ہیں نا کہ آپ اس گھر کی کسی بچی میں تفریق نہیں کرتیں تو اسے ثابت کریں۔ میری فکر مت کریں اماں۔ میں ابھی مزید پڑھنے جارہی ہوں۔ دو سال تک آپ میرے بارے میں اس موضوع کو ایک طرف رکھ دیں۔ جہاں تک عطیہ کا تعلق ہے تو اس کی بھی آپ فکر مت کریں۔ چاچی کچھ عرصے تک خود آپ سے اس کے لیے بات کریں گی۔"

ان پر حیرتوں کے پہاڑ ہی ٹوٹ رہے تھے۔ وہ پوچھنا چاہتی تھیں کہ اسے کس نے بتایا یہ سب۔

"اماں! ہم سب ساتھ پلے بڑھے ہیں۔ ہم میں ہر ایک جانتا ہے کہ کس کا جھکاؤ کس طرف ہے۔ اس لیے کہہ رہی ہوں کہ بابر کے لیے کنول کا ہی سوچیں اور عطیہ کی آپ کو کسی قسم کی فکر کی ضرورت نہیں ہے۔"

ماہنامہ کرن

دسمبر 2013 کا شمارہ شائع ہوگیا

ادارہ "اریج فاطمہ" سے شاہین رشید کی ملاقات

اداکارہ "رعنا اصفہانی" قارئین کیا "میری بھی سنیے"

دلچسپ سلسلہ "آواز کی دنیا" سے

اس ماہ "اقرا مظفر" آئینے کے مقابل ہیں

"میرے ہم نوا کو خبر کرو"

"صنم دل کیے مکیں"

"روح اندر موجھہ"

اور مستقل سلسلے

اس شمارے کے ساتھ کرن کتاب

کرن کتاب "موسم کے رنگ"

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

آپ کا چہیتا لاڈلا پہلے سے ہی آپ کو ساسوماں بنا بیٹھا ہے۔" وہ ہنس دی تو سکینہ خاتون کو بھی احساس ہوا کہ وہ خواب نہیں دیکھ رہیں۔ سب سچ ہے۔

"اماں! بس آپ ان رشتوں کے لیے صفیہ اور ثوبیہ کے آپشن سامنے رکھ دیں۔ انکل زبیر کو تو بس اسی گھر سے رشتہ جوڑنے میں دلچسپی ہے نا۔ میں اور عطیہ نہ سہی صفیہ اور ثوبیہ ہی سہی۔ میری پیاری اماں پلیز۔" وہ پھر سے ان کے گلے میں بانہیں ڈالے بولی تو وہ اس کا ماتھا چوم کر نم آنکھوں سے گویا ہوئیں۔

"ایک ماں کے لیے اس کے بچوں کی خوشی سب سے مقدم ہے۔ مجھے بھلا کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔" سونیا خوشی سے ان کے گلے سے جھول گئی تھی۔

اگلی صبح جاتے ہوئے سب ایک لائن میں اس سے گلے لگ لگ کر رو رہی تھیں۔ گویا وہ سات سمندر پار جا رہی ہو۔ اس کی اپنی آنکھیں بھی برس رہی تھیں۔ سب سے مل کر وہ بوجھل قدموں سے چلتی ان سب کی معیت میں گیٹ تک آئی۔ باہر رکشے میں شمعون اس کا سامان بھر چکا تھا۔ اسے چھوڑنے وہی جا رہا تھا۔ گیٹ کے قریب اس نے صفیہ سے چلتے ہوئے کہا۔

"صوفی۔ میری ایک بات مانو گی؟" صفیہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

"چاچی کو معاف کر کے تم چاروں گھر لے آؤ۔ جب میں اگلے ہفتے گھر لوٹوں تو وہ تم سب کے ساتھ سب کے درمیان اس گھر میں موجود ہوں۔ میں اس گھر کو پہلے کی طرح دیکھنا چاہتی ہوں۔ پلیز میری خاطر۔ انہیں واپس لے آؤ۔ میں نے انہیں دل سے معاف کیا۔ میرے اللہ نے بھی انہیں معاف کیا۔ کیونکہ وہ بہت رحمان اور رحم فرمانے والا ہے۔"

صفیہ سے کوئی جواب نہ بن سکا۔ وہ اسی طرح خاموشی سے پیچھے ہٹ گئی تو سونیا نے بھی مزید کوئی بات نہ کی۔ اسے بہرحال انہیں وقت دینا تھا۔

سارے راستے وہ دل سے اللہ کا شکر ادا کرتی رہی۔ گھر سے نکلنے سے پہلے اپنے تئیں اپنی سب بہنوں کے لیے بہتر راستہ منتخب کر کے آئی تھی۔ اللہ نے اس کے اندر باہر سکون ہی سکون بھر دیا تھا۔

"شمعون۔ کنزیٰ کے لیے کیا سوچا ہے؟" امی نے ساتھ بیٹھے شمعون کو مخاطب کیا جو نیند سے اونگھ رہا تھا۔

"ہاں۔ اس کا کیا سوچنا ہے۔ تائی محمودہ کی طرف سے تو پہلے ہی "ہاں" تھی۔ اس وقت میں نے اور تایا جی نے تحمل مندی سے یہ فیصلہ کیا کہ انہیں انکار نہ کیا جائے ہو سکتا ہے، کنزیٰ کچھ وقت لے اور پھر سنبھل جائے۔ لہٰذا ہم نے ان سے کہہ دیا تھا کہ ابھی وہ پڑھ رہی ہے۔ حتمی فیصلہ ہم اس کا رزلٹ آنے کے بعد کریں گے۔ اب اگلے ویک اینڈ پر انہیں بھی بلایا ہے۔" وہ خوش ہو گئی تھی۔

شمعون سوچنے لگا کہ یہ کیسی لڑکی ہے۔ جو دوسروں کی خوشی میں خوش ہے۔ اس سے چھوٹی بڑی گھر میں سب ہی لڑکیوں کے رشتے طے ہونے جا رہے ہیں۔

جبکہ سونیا سوچ رہی تھی کہ اس کی بہن کس قدر خوش قسمت ہے جسے اتنا پیارا دل رکھنے والا مخلص انسان ملا ہے۔ وہ اس کا بھائی نہ ہو کر بھی سگے بھائیوں سے بڑھ کر تھا۔ اس نے دل میں دعا کی کہ اللہ ایسا بیٹا، ایسا بھائی سب کو دے۔

☼ ☼ ☼

وہ پورے ہفتے بعد گھر لوٹی تھی۔ گیٹ فرحت بہار نے ہی کھولا تھا وہ جھٹ سے ان کے گلے لگ گئی۔ چار ماہ کا بن باس کاٹ کر وہ گھر لوٹی تھیں۔ آنکھوں سے بہتے آنسوؤں کو دونوں نے صاف کرتے ایک دوسرے کا حال احوال دریافت کیا۔ گھر پھولوں سے سجا ہوا تھا۔ آج اس گھر میں تین، تین لڑکیوں منگنی کی رسم ہونے جا رہی تھیں۔

صفیہ، کنزیٰ اور ثوبیہ کی۔ باقی دو جوڑے تو گھر کے ہی تھے۔ انہیں ابھی اس رسم میں باقاعدہ نہیں باندھا گیا تھا۔ مگر پھر بھی اسے ان دونوں جوڑوں کی نظروں میں ایک دوسرے کے لیے اب جو رنگ دکھ رہے تھے

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

پہلے کبھی نہ دیکھے تھے۔ ہر چہرہ ہی کھل رہا تھا۔ تینوں لڑکیوں پر بے پناہ روپ آیا تھا۔

منگنی کی رسم ختم ہونے کے بعد رات گئے سب اپنے بستروں پر تھک ہار کر لیٹے تو وہ وضو کرکے نماز پڑھنے اٹھی۔ برآمدے میں ٹھنڈی ہوا لگنے کے باعث بڑا سکون سا تھا۔ دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے اس نے سوچا تھا کہ آج اس کی زندگی میں کتنا سکون بھر دیا ہے اس کے رب نے۔ اللہ نے اسے نوازا تھا آرام سے، سکون سے اور سب سے بڑی بات ایمان سے۔ آج اس کے گھر میں سب خوش تھے۔ جس میں اس کا بلاشبہ بڑا کردار تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اگر یہ لوگ نہ ہوتے تو اس کے نامہ اعمال میں چند نیکیوں کا اضافہ بھی نہ ہوتا۔ بعض اوقات انسان ہی انسان کی تباہی کا باعث بنتا ہے اور انسان ہی انسان کی ہدایت کا باعث بنتا ہے۔ مگر بلاشبہ کوئی غم یا تکلیف انسان کی زندگی میں اللہ کے اذن کے بغیر نہیں آتی۔ ضرورت صرف ایسے میں صبر کرنے اور شکر کیے جانے کی ہے۔

سکینہ خاتون نے بھی یہ تسلیم کرلیا تھا کہ ان کا بڑا بیٹا تو بہت سال پہلے ہی لاہور شہر نکل گیا تھا۔ اس کا لوٹنا تو مفاد کی غرض سے تھا۔ جب وہ پورا نہ ہوا تو اب وہ شاید ہی کبھی شکل دکھائے۔ مگر بدلے میں اللہ نے انہیں شمعون کی شکل میں داماد دیا جو بیٹوں سے بڑھ کر تھا۔

اس کی سب بہنیں اندر بیٹھی ایک دوسرے کو چھیڑتی اپنے اپنے ہونے والے جیون ساتھیوں کو فرحت اشتیاق کے ناول کا ہیرو ہی ٹھہرا رہی تھیں۔ ہر ایک کے لیے اس کی زندگی کے ڈرامے میں اس کا لائف پارٹنر ہیرو ہی ہوتا ہے۔

شمعون اور بابر اپنی اپنی خواہش پورا ہونے پر بے حد خوش اور شوخ جملوں کا تبادلہ کررہے تھے۔ فرحت بہار شرمندہ تھیں۔ انہوں نے ذرا سا انتظار کیا ہوتا تو اس شرمندگی کی نوبت ہی کیوں آتی۔

وہ جائے نماز لپیٹ کر وہیں باہر سیڑھیوں پر بیٹھی آسمان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ایک بہت گہرا اور عجب رشتہ سا بن گیا تھا اس کا رب سے جسے وہ سمجھ نہیں پارہی تھی۔ اسے بس بے اختیار یہی احساس ہوتا تھا کہ اللہ اس کے بہت قریب ہے اور وہ اللہ کے لیے بہت خاص ہے۔ مگر اس احساس میں فخروغرور کا عنصر نہیں عاجزی کا عنصر تھا۔

وہ مسکراتی ہوئی اندر چلی آئی کہ اسے پھر سے اپنے کمرے میں ان سب کے درمیان ویسی ہی پیار بھری محفل سجانا تھی جو پہلے سجتی تھی۔ عطیہ کے قریب بیٹھتے سرگوشی کرتے اس نے ذہن میں کب سے اٹھتے ایک سوال کو الفاظ کا جامہ پہنایا۔

"مجھے ایک سوال کا جواب نہیں مل رہا کہ چاچی نے کنزی اور مجھے تو نشانہ بنایا' مگر تم کیسے بچ گئیں؟"

عطیہ نے اسے گھور کر دیکھا اور چند لمحے خاموش رہنے کے بعد بولی۔

"شاید اس لیے کہ میں ہمیشہ کعب اخبار کے ان کلمات کو روز دہراتی ہوں جن کے بارے میں انہوں نے کہا تھا کہ اگر میں پابندی سے یہ چند کلمات ادا نہ کرتا تو یہودی مجھے گدھا بنا دیتے اور وہ کلمات یہ ہیں کہ میں اللہ عظیم کی پناہ پکڑتا ہوں جس سے بڑا کوئی نہیں اور پناہ پکڑتا ہوں اللہ کے تمام کلمات کی جس سے کوئی نیک اور بد انسان آگے نہیں نکل سکتا اور پناہ پکڑتا ہوں اللہ کے تمام اسماء حسنہ کی جن کو میں جانتا ہوں اور جن کو میں نہیں جانتا ہر اس چیز کے اثر سے جس کو اللہ نے پیدا کیا اور وجود دیا اور پھیلا دیا۔"

سونیا نے حیرت سے اسے دیکھا تو وہ مسکرادی۔ "ہر وہم' خوف' فکر سے بچنے کے لیے یہ دعا ہی کرتی ہوں اس یقین سے کہ اللہ مجھے محفوظ رکھے۔"

وہ پھر سے باقی سب کے ساتھ گفتگو میں محو ہوگئی اور اس کے لیے ایک نیا در وا کرگئی کہ کلام اللہ' دعا کوئی سی ہو شفا ہی دیتی ہے۔ بشرطیکہ یقین مضبوط اور اللہ کی ذات پر توکل مکمل ہو۔ وہ ہولے سے مسکرا کر صفیہ کے کندھے پر سر رکھتی سب کی باتوں میں شامل ہوگئی۔ زندگی پھر سے ان کے درمیان مسکرا رہی تھی۔